نتھ کی عزت

ناول

واجدہ تبسم

مکتبۂ اردو ادب لاہور

ایک طوائف کے محبت بھرے دل کا ناول

نتھ کی عزت

واجدہ تبسم

مکتبہ اردو ادب
بازار ستھاں اندرون لوہاری گیٹ ، لاہور

ناشر — سرفراز احمد
مطبع — زاہد بشیر پریس لاہور
قیمت — پندرہ روپے

قصاص

اللہ کا نام لو بی بی، کیوں ہاتھ پیر پھُلائے دیتی ہو۔ کہہ تو دیا شام تک سارا پکوان پورا ہو جائے گا۔" نصیبن بی بھٹیارن نے لہسن چھیلتے میں ذرا اُکھ کر جواب دیا۔

"لوا میں کب نہیں بولی کہ نہیں ہوئیں گا۔ پر یہ تمہارے سنگات کی چھوکریاں کو دیکھو ذرا۔ کچھ فِکراج نہیں۔ کیسے گھوم لے رئیں ——" بڑی ماما بولی —— پھُول دار چھینٹ کے گھیردار لہنگے پھڑکاتی بُوا کے ساتھ کی ساری چھوکریاں اِدھر اُدھر بولائی بولائی سی پھر رہی تھیں —— بُوا نے اطمینان سے انہیں دیکھا اور بولیں :

"ماما بی، تم فکر نہ کرو —— میں نے کہہ دیا نا وقت پر ہر کام پورا ہو جائے گا انشاءاللہ یہ سب کام ہی کے سلسلے میں دوڑ دھوپ کر رہی ہیں۔"

"بریانی کے واسطے پیاز کٹ گئی ؟"

"کٹ چکی۔"

"ہور شاہی ٹکڑوں کے میوے تلے گئے ؟"

"یہ مرحلہ بھی طے ہوا۔"

"ہور راتے کے بینگن کاٹ کر نمک کے پانی میں چھوڑے کی نئیں؟"

"رائتہ تیار ہو بھی گیا اور برف کی لگن میں رکھ بھی دیا گیا۔"

"ہور خوردہ کے . . ." اب نصیبن بُوا کا پارہ چڑھ گیا۔

"ماماجی —— ایسی ہی بڑی منتظم آپ تھیں تو ہم پھوہڑ خواتین کیوں بلوائی گئیں؟"

"ہم رنڈیوں کے واسطے کھانا نئیں پکاتے بول کے۔ ہم خالی بی بی ہور پاشا لوگاں کا کھانا پکاتے —— ان کے مرد مہمانوں کا بھی کھانا پکاتے، پر ہم شریف غریب لوگاں ہیں ایسے ویسوں کا کھانا ہم نہیں پکاتے ——" نصیبن بُوا نے غصّہ پی کر ذرا دلچسپی سے پوچھا

"تو کیا آج پہلی بار محل میں طوائفیں ناچ رہی ہیں؟ یہ تو سدا سے ہوتا ہی آیا ہوگا۔"

"ہوتا تو آیا برسوں سے —— ہور جب جب بھی باہر سے رنڈیاں ناچنے گانے کو آتے، بھٹیارے بلائے گئے —— پر یہ جو آج ناچنے گانے کو ماں بیٹی آرئے اُنوں بولے کی ہمارے کو ہور ہمارے ساتھ والے لوگاں کو دتی والی بھٹیارنوں کے ہاتھ کا کھانا ہونا۔"

"یہ کس خوشی میں؟" بُوا نے ذرا مسکرا کر پوچھا۔

"وہ ایسا بول بھیجائے کی ہم کو اپنچ عورتاں کے پکوان کی عادت ہے، نئیں تو گلا خراب ہو جاتا ——"

نصیبن بُوا کے ساتھ کی ساری لڑکیاں بالیاں مارے تجسّس کے آس پاس آکھڑی ہوتی تھیں۔

"اے ہے لطف رہے گا نا ——" ایک سرگوشی میں دوسری کو ٹہوکا دے کر بولی۔

"ہائے سچ! جلدی جلدی کام نپٹا نہ لیں —— ناچ گانا نہ ہو تب بھی ایسی عورتوں کو تو صرف دیکھنے ہی میں کتنا مزا آتا ہے —— ہے نا؟"

نصیبن بُوا نے گھور کر لڑکیوں کو دیکھا —— لہسن کے جوے پر سارا غصّہ اتار کر

ماما بی سے بولیں۔

"یہ نواب صاحبان طوائفیں کیوں نچواتے ہیں؟"

ماما بی نے ناک پر اُنگلی رکھ کر ذرا اچنبھے سے دیکھا اور بولیں۔

"اُنوں کو اچھا لگتا۔"

محل کے باورچی خانے سے اوپر کے کام والی دو چار عورتیں بھی اپنے اپنے کام نپٹا کر دو پٹے سے ہاتھ پونچھتی اس محفل میں آکر بیٹھ گئی تھیں۔ سکینہ بی مُسکرا کر بولی۔

"اچھا تو لگتا ——— اس واسطے اِچ نچواتے گو تیں۔ پن اس وخت تو دوسری اِچ بات ہے۔" سب اس کا مونہہ دیکھنے لگیں تو وہ ہنس ہنس کر سُنانے لگی:

"اگے نواب صاحب کی شادی ہونے والی ہے کی نئیں اس واسطے اُنوں ایک نیا ایک رنڈی کو محل میں اِچ بُلا بُلا کو، نچا نچا کو، گوا گوا کو پرکھ رئیں کی جو سب سے اچھا ناچیں گی گائیں گی، اُس کو بارات والے دِن بڑی محفل میں نچوائیں گے ———" نفیسن بوا نے اُلجھ کر اپنے آس پاس کھڑی عورتوں اور لڑکیوں کو دیکھا۔ ان میں کنواری بھی تھیں۔ چڑ کر بولیں:

"اری روشن، تم یہاں کھڑی کھڑی کیا مونہہ تکے جا رہی ہو۔ جاؤ اصغری تم اور دو چار جنے مل کر سندور دہکاؤ۔"

اصغری نے مونہہ بنا کر روشن کو دیکھا۔

"ایسی اچھی اچھی باتیں ہو رہی ہوں تو ہمیں یونہی کھسکا دیا جاتا ہے ہونہہ۔ چلو آؤ۔" کچھ کھسکیں، کچھ وہیں کھڑی رہیں۔ سکینہ بوا کا بیان جاری تھا۔

"یہ آج آج بولیتوں کوئی گیارھویں بارھویں ناچن آنے والی ہے۔ سرکار کو ابھی تک کوئی پسند اچ نئیں آئی۔"

"جو ناکام ہو کر جاتی ہوں گی ان بے چاریوں کا دِل ٹوٹ نہ جاتا ہو گا۔" نفیسن بوا دُکھ سے بولیں۔

"دِل کائے کو ٹُوٹیں گا۔ اگے نیّں بھی پسند کرے تو سرکار اِتّا دھن دولت، زیور دیتے
کی پُوری زندگی بیٹھ کو کھاتا، پر ختم نیّں ہوتا"

"پھر بھی!" نفیسن بُوا بس اتنا ہی بول کر رہ گئیں۔

"پھر بھی کیا پھر بھی۔ ہور کیا وہ رانڈاں ایک ہی پر بس کر کے تھوڑی رہتیں۔ آگے اِن کا تو دھندا اِچ یہ ہے۔ ایک پکڑا، ایک چھوڑا، میں اِچ ساری زندگی گزر جاتی بول کے۔"

بڑے لوگاں کی بڑی باتیں۔"

بُوا ایک ٹھنڈی سانس بھر کر بولیں: "خُدا بخشے دادی مرحومہ بھی دہلی کے امرا۔ کی ایسی ہی سُناتی تھیں۔"

"اے کچھ نہیں بٹیا۔ پیشے الگ الگ ہیں لیکن بات ایک ہی ہے۔" انھوں نے گرم ہوتے ہوئے تندور کی طرف دیکھ کر دُکھ سے کہا۔ "اس کم بخت پیٹ کی آگ بجھانے کو اس تندور کو دہکانا ہی پڑتا ہے۔"

سکینہ بی ذرا چڑ کر بولیں: "اِتّی تمنا اُنے اُچاڑ ماریوں کے ساتھ کائے کو اِتّی ہمدردی جی۔ موئی پلید رانڈاں۔ ہزار مردوئے چھوڑ کر بیٹھتیاں، اس واسطے تو ہم لوگاں بھی رنڈیوں کے واسطے کھانا نیّں پکاتے۔"

کھانے کا نام سُن کر نئے سرے سے ماما بی کو فکر نے آگھیرا۔

"ائی میں تو چلیتوں اب۔ مگر دیکھنا کھانا مغرب تک پُورا تیار ہو جانا نیّں۔ بڑے سرکار خود آ کر میرے کو جتا گئے تھے۔ بی بی لوگاں تو ایسے موقعوں پر ذرا دخل نیّں دیتے۔ ہور دخل دُنیا بھی نیّں چاہتے۔ شریف عورتاں کائے کو رنڈیوں بھنڈیوں کے کاماں میں دخل دیں گے۔ اِتّا برداشت کر لیتے اِچ سو غنیمت ہے کی ناچنے گانے والیاں آتے پن کچھ نیّں بولتے —— شریف بیبیاں مرداں کے باتاں میں بولنا بھی نیّں کچھ۔" وہ اپنا سفید سر ہلاتی، تک جھک کرتی زنان خانے کو ہولیں اور ساری لڑکیاں کھرا مار کر

بندیوں اور بیل گاڑیوں کی طرف لپک پڑیں جن پر لد کر شامیانے اور سجاوٹ کا سامان آیا تھا۔ جس دِن طوائفیں آنے والی ہوتیں، زنان خانہ سُنسان ویران پڑ جاتا۔ ساری رونق سمٹ کر مردانے میں اکٹھی ہو جاتی۔ بیبیوں کا دستور تھا وہ اپنے برتنوں اور باورچی خانوں میں کبھی بازاری عورتوں کا پکوان نہ پکنے دیتیں —— اس دن طوائفوں، سازندوں اور ان کے ساتھ والوں کا کھانا باہر مردانے آنگنوں میں بڑے بڑے چولہے اور تندور لگا کر پکوایا جاتا۔ اس دن محل کے مردوں کا کھانا بھی باہر ہی پکتا —— شہر کے مشہور بھٹیارے بلوائے جاتے۔ اور شادی کا سا سماں بندھ جاتا۔ "شوکت محل" میں طوائفوں کا آنا کوئی نئی بات نہ تھی۔ لیکن ان دنوں کچھ زیادہ ہی دھوم دھام تھی —— نواب شوکت یار جنگ کی اپنی شادی ہونے والی تھی، اور وہ جانتے تھے کہ سارا حیدرآباد دکن ہی اس شادی میں اُمڈ پڑے گا۔ ہر اعلیٰ سے اعلیٰ انتظام کے باوجود ناچ رنگ اور مجرے کا بھی اپنا ایک مخصوص معیار ہو۔ باپ کا سایہ سر سے اُٹھ چکا تھا۔ جو بھی کرنا تھا خود ہی کو کرنا تھا —— ویسے شادی کے اور انتظامات تو اماں حضور کر رہی تھیں۔ لیکن یہ مخصوص شعبہ ان کے اپنے سپرد تھا۔ اس سلسلے میں ایک سے ایک طرح دار طوائف جو گانے میں بھی اپنی مثال اور ناچنے میں بھی اپنی مثال آپ ہوتی آتی رہی، بلائی جاتی رہی اور دھتکاری جاتی رہی۔

"کیا حیدرآباد میں اچھی نامور اور باکمال طوائف کا کال پڑ گیا؟" وہ اپنے آپ سے پوچھتے —— وہ بہت چھوٹے سے تھے، لیکن اچھی طرح یاد تھا کہ ان کے دادا کے زمانے میں اسی "شوکت محل" میں کیسی کیسی چھیل چھبیلی لڑکیاں آیا کرتی تھیں اور سنگِ مرمر جڑے بڑے گلابی حل میں مرغابیوں کی طرح تیرتی پھرتی تھیں —— وہ اتنے چھوٹے تھے کہ خیال سے کچھ نہ پاتے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ لیکن دماغ کے پردے پر وہ صورتیں کبھی نہ مٹنے کے لئے محفوظ اور نقش ہوتی گئیں۔ پھر جیسے جیسے بڑے ہوتے گئے سمجھ آتی گئی —— لیکن اب جبکہ وہ خود بھرپور جوان تھے، وہ طرح دار رقاصائیں اور کوملیں تو خود بھی بڑھیا ہو چکی ہوں گی،

لیکن قدرت جو اس قدر سخی اور فراخ دِل ہے، اُس نے اپنے خزانے بند تو نہیں کر دیے ہوں گے!
وہ اسی خوب سے خوب تر کی تلاش میں آئے دِن محفلیں سجا رہے تھے —— اُن کے ہرکارے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر خبریں اور پتے لا رہے تھے۔

آج کا قرعۂ فال چوک کی ایک نسبتاً گُم نام اور کم معروف گانے والی زمانی بیگم اور ان کی بیٹی کے نام پڑا تھا۔

"سرکار اب شادی کی تاریخ ہو رآگے بڑھانے کی نوبت نہیں آئیں گی" چھدو میاں دوہرے ہو کر بولے "سرکار خالی بات کرنے میں آواز کی مٹھاس کا وہ حال ہے کہ جیسے کانوں میں شہد اُنڈل رہا ہو تو آپ سوچو گانے میں کیا تو بھی نہیں مٹھاس ہوئیں گی۔ ہور سرکار صورت تو آپ خود اچ دیکھ لینا"

"کس کی، ماں کی یا بیٹی کی؟" نواب شوکت ذرا مُسکرا کر بولے ——

"نئیں سرکار بیٹی کی صورت بولتوں۔ ماں کا کیا ہے، پھٹی سو سلیم شاہی جوتی"

آواز جس کے بارے میں چھدو میاں نے شہد کی مثال دی تھی، وہ تو ابھی نواب شوکت نے نہیں سُنی تھی لیکن چہرہ، چہرہ ان کی آنکھوں کے سامنے تھا اور دُنیا کی ہر مثال، ہر تشبیہ "اوں ہوں" کہہ کر نئی لُغت کی کھوج میں آگے دھکیل دیتی تھی۔

شکرام سے اُترتے ہوئے اس نے دو چُٹکیوں سے اپنا زرتار غرارہ تھاما ہوا تھا اُنگلیوں میں جھوٹے ہیرے موتی جڑی انگوٹھیاں جھلملا رہی تھیں کلائیوں تک لمبی آستینوں کا کامدار کرتا تھا۔ اس سے اوپر کائنات کو تہہ و بالا کر دینے والا چہرہ تھا —— اُس روشن چہرے پر ایک چھوٹی سی تیکھی ناک تھی جو جانے کتنی اونچی ناکوں کو جھکا دینے کا عزم کیے ہوتے تھی —— ایک چھوٹی سی نتھنی اس گلابی ناک کے ایک رہ رہ کر پھڑکتے نتھنے میں نفاست سے پروئی ہوئی تھی۔ اس سے لگے ہوئے دو صبیح رُخسار بھی ہوں گے۔ اِن سے

سدا وہ کچھ نہ کہتے ہوئے بھی ایک داستان کہہ دینے والے ہونٹ بھی ہوں گے ـــ اور اسی پہ بڑے پر اچھے بھلے انسان کو پاگل کر دینے والی وہ جگمگاتی ہوئی ہلکی نیلی سی آنکھیں بھی ستاروں کی طرح جڑی ہوئی ہوں گی۔ ہوں گی ـــ ضرور ہوں گی۔ لیکن نواب شوکت نے یہ سب کچھ نہیں دیکھا۔ اس لئے کہ اس ننھی سی تیکھی والی گلابی ناک نے ہی ان کی دنیا بھلا دی تھی ـــ

لڑکیاں اتنی حسین بھی ہو سکتی ہیں ـــ نہ پہلے کبھی انہوں نے سوچا تھا نہ دیکھا تھا ـــ دھیرے دھیرے قدموں سے چلتی اپنی ماں کے پیچھے پیچھے وہ یوں آئی جیسے بہتی ہوئی آ رہی ہو یا ہوا میں اڑتی ہوئی آ رہی ہو۔

نواب شوکت نے اپنے آپ کو آج تک اس قدر کمزور محسوس نہیں کیا تھا ـــ وہ کیسے استقبال کو کھڑے ہوں ـــ مانا کہ وہ طوائفیں تھیں، بہر حال آدابِ مجلس اور محفل اپنی جگہ جہاں ہر آنے والی خاتون کا اُٹھ کر خیر مقدم کرنا ہی چاہیئے ـــ اٹھائیس سال کی عمر میں اس قدر نقاہت، نواب شوکت۔ ابھی تو آپ کو منزلیں طے کرنی ہیں۔ اتنی تھکن؟

دل کی آواز کو نظر انداز کرتے ہوئے انہوں نے اٹھنا چاہا تو پاؤں جواب دے گئے اپنی کمزوری، اپنی بدتمیزی اور اپنی کج اخلاقی کو انہوں نے شانِ بے نیازی میں تبدیل کرنا چاہا۔ ایک نظر یونہی بڑے سے جگمگاتے ہوئے ہال پر ڈالی ـــ نرم گداز قالینوں پر ریشمی گدے لگے ہوئے تھے ـــ بیچ میں رقص کے لئے ایک دائرہ نما حلقہ چھوڑ کر آس پاس بچھی ہوئی چاندنیاں گدیلے۔ چاندی کے خوب صورت جالی دار پاندان اور ان میں سلیقے سے پان چھالیہ، الائچی، لونگ سب ہی کچھ تو تھا یہاں۔ چاندی ہی کے اگال دان، چاندی کے گلاب پاش۔ ایک ـــ علیحدہ مسند پر ساز بھی سجے ہوئے تھے۔

اب وہ اسی مسند کی طرف آ رہی ہو گی! دھیرے دھیرے کنول جیسے خوب صورت پیروں سے چلتی ہوئی۔ نہیں نہ چلتی کہاں ہے وہ تو جیسے لہروں پہ بہتی ہوئی آتی ہے ... اب ...

اب اب وہ یہیں سے، دِل کے پاس سے گزرے گی۔۔۔ اب انہوں نے اپنی ساری طاقت جمع کر کے نگاہ پھیری ـــــ اسی وقت اس کی ماں نے اسے ذرا تنبیہہ کے سے انداز میں کہا۔

"جھک کر تسلیم بجا لاؤ بیٹی ـــــ"

ماں کا حکم پا کر وہ جھکی ـــــ یوں جھکی کہ ساری کائنات ڈول گئی۔ وہ تو جھکی بھی، جھک کر سیدھی بھی ہو گئی، لیکن نواب شوکت کو اپنا آپ سنبھالنے میں صدیاں لگ گئیں۔

ایک ایک کر کے لوگ آتے گئے۔ ہال بھرتا گیا ـــــ ساز بجنے لگے، گھنگرو چھنکنے لگے وہ یونہی مسند پر ادھر سمٹی بیٹھی رہی جیسے اس ہنگامے سے اس کا کوئی واسطہ ہی نہ ہو۔ ماں گاتی رہی۔ سازندے اپنے طور پر جو جی میں آیا بجاتے رہے ـــــ ساتھ میں آئی دو تین بچیاں ناچتی رہیں اور وہ یونہی ہال کی سجاوٹ بنی بیٹھی رہی۔

نواب شوکت اُس ایک طرف نہ دیکھنے کی خاطر ساری دُنیا کا جائزہ لے رہے تھے۔ باہر سارے نوکر، نوکرانیاں دروازوں کی آڑ میں اپنے آپ کو چھپائے اندر جھانکتے کھڑے تھے۔ دن بھر پکوان کرنے کے باوجود، تازہ دم اور یہ تازگی صرف ایک زندگی بخش چہرے کے ہی دین ہو سکتی تھی ـــــ نظر آتی ہوئی بھٹیارنیں۔ خواصیں، ماماءیں، بی بی پاشا لوگ کی کنیزیں چلمنوں کے پیچھے سے جھانکتی ہوئی محل کی پردہ نشیں بیبیاں۔ پان چباتے ہوئے مہمان۔ داد دیتے ہوئے چہرے۔ پرلی طرف لاتوں میں میزیں لگاتے ہوئے بیرے۔ دوسری طرف جام بجھا کر ریتے سفید سفید نیپکنوں سے پونچھتے ہوئے محل کے خادم۔ ساری چیزوں کو وہ دیکھ سکنے کا حوصلہ رکھتے تھے۔ لیکن ایک طرف۔ صرف ایک جانب اُن کی آنکھ اُٹھنے کا حوصلہ نہیں کر رہی تھی۔

"کیوں۔ آخر کیوں؟

ایک دم ساز تھم گئے۔ سب اپنی اپنی جگہ چونک گئے۔ چھنو میاں زمانی بیگم سے مخاطب ہو کر کہہ رہے تھے۔

"آپ صاحبزادی سے کچھ سنواتے تو ہمارے سرکار بھی خوش ہوتے۔ اب تک تو سب

بچوں کا ہی کھیل چلے دیسا تھا۔"

" آؤ بی بی۔ ذرا قریب آجاؤ ——— سچ تو ہے اب تمہیں گانا ہی چاہیئے" محفل میں سے کوئی بولا۔

" ناچ نہ ہو جائے پہلے۔"

" نہیں ——" وہ جیسے سہم کر بولی " رقص نہیں، رقص نہیں۔"

سب لوگ اسے حیرت سے دیکھنے لگے ——— ماں نے اسے خشمناک نگاہوں سے گھورا ——— نواب شوکت نے زمانی بیگم کی نگاہوں کا مطلب تاڑلیا۔ سنجیدگی سے بولے۔

" ٹھیک ہے ——— ابھی ان کا جی نہیں چاہ رہا ہوگا تو آپ کاہے کو مجبور کرتے۔ گانا ہی سن لیتے ہیں۔"

زمانی بیگم کے تیور ابھی تک بدلے ہوئے تھے لیکن مصلحتاً مسکرا کر بولی۔

" چلو بیٹی، نواب صاحب جیسا فرماتے ہیں، یونہی سہی ———" پھر انہوں نے نواب صاحب کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

" غزل، گیت، ٹھمری، ملہار؟ جو بھی آپ کی فرمائش ہو۔"

" جو بھی یہ چاہیں ——— نواب صاحب نے بہت سہمے سہمے انداز میں اس کی طرف اشارہ کیا ———" گانے والے کی مرضی پہ چھوڑ دیا جائے، تو وہ بات ہی الگ ہوتی ہے۔"

وہ اپنی جگہ سے تھوڑا سا آگے بڑھ کر سنبھلی ——— ہارمونیم والے نے ہارمونیم سنبھالا اور وہ شروع ہو گئی۔

روئے ہے شبنم کہ نیرنگِ جہاں کچھ بھی نہیں
خندہ زن ہیں گل کہ رنگِ گلستاں کچھ بھی نہیں

آواز کا جادو ساری محفل میں بھر گیا ——— لوگ آواز اور لے میں پہلی اٹھان ہی سے

کھو گئے تھے لیکن زمانی بیگم نے ساز اور طبلے کی تیز آواز میں اُسے ٹوکنا شروع کر

"پگلی ہوئی ہے لڑکی ——"

"یہ کیا شروع کر دیا نامُراد ؟"

"دوسری چیز سُناؤ کم بخت ؟"

لیکن اُس نے دوسرا شعر شروع کر دیا :

جِن کی نوبت کی صدا سے گونجتے تھے آسماں
دَم بخود ہیں مقبروں میں ہوں نہ ہاں کچھ بھی نہیں

نواب شوکت جھُوم جھُوم کر سُن رہے تھے۔

ہُوں نہ ہاں کچھ بھی نہیں —— ہُوں نہ ہاں کچھ بھی نہیں۔

اس ٹکڑے کی بار بار تکرار نے محفل کا رنگ بدل ڈالا۔ زمانی بیگم دیکھ کر سر پیٹ رہی تھیں۔

اس نے اگلا شعر بڑے کرب سے گانا شروع کیا :

جِن کے محلوں میں ہزاروں رنگ کے فانوس تھے
جھاڑ اُن کی قبر پر ہے اور نشاں کچھ بھی نہیں

اب یہ سب کچھ زمانی بیگم کی برداشت سے باہر تھا، وہ ذرا آگے کی ایک تھاپ ماری —— تال ٹوٹ گئی۔ لوگوں کا دھیان بٹ گیا۔ سب بدمزگی سے ایک دوسرے کو دیکھنا شروع کیا۔

"نامُراد یہ کون سا وقت ہے، ایسی عبرت ناک چیزیں پڑھے ہَول گیا ——"

نواب شوکت بڑی دیر بعد محفل میں لوٹے۔ وہ ابھی تک اسی لے، ماحول کے سحر میں تھے۔ نرمی سے بولے :

"کیا ہوا ؟"

وقت کی چیز وقت پر اچھی لگتی ہے حضور نواب صاحب! آپ نے تو بلایا ہے اس بارک شادی خانہ آبادی کے بابرکت موقعے کے لیے کوئی پھڑکتی ہوئی محفل الی چیز کا انتخاب فرمائیں گے اور شادی کے مبارک دن وہی چیز حاضرین محفل کے کی جائے گی اور یہ نادان، نا سمجھ، نامراد دیکھیے تو کیا گانے بیٹھ گئی"۔ زمانی بیگم کو نواب صاحب کے عتاب سے بچانے کے لیے خود ہی لعن طعن شروع کر دی۔

حیرت کی حد نہ رہی جب نواب صاحب نے ملائمت سے کہا۔

ہم یہ سوچ رہے ہیں کہ اس سے اچھی چیز آپ کی بیٹی اور کیا گا سکے گی۔ ہم بار نا چاہیں گے"۔

نصیب میرے کہ حضور بد مزا نہیں ہوتے، ورنہ اس نے میری جان لینے میں کسر چھوڑ دی تھی"۔

جان آپ کی نئیں ہماری سے لئے ہیں ان بی بی نے"۔ انھوں نے اپنے دل کی آواز ہو کر سر اٹھا کر ادھر ادھر دیکھا کہ کسی نے ان کے دل کی بات تو نہیں سن لی۔ جھوم کر سننے اور داد دینے لگے۔

خاک پر ٹوٹا پڑا ہے کاسۂ سر ہائے ہائے
دور میں اے جم، ترا جام جہاں کچھ بھی نہیں

پرسوز لے اور جسم میں سے آخری سانس تک کھینچ کر نکال لینے والی، ورنہ کبھری یہ شعر گاتے گاتے اچانک اس نے لے بدل کر دوسری غزل شروع کر دی۔ آدا

ہے بہارِ باغِ دنیا چند روز دیکھ لو اس کا تماشا چند روز
اے مسافر کوچ کا سامان کر اس سرا میں ہے بسیرا چند روز

اچانک پھر وہی لے۔ وہی تان۔ وہی شعر۔ وہی کرب۔

جن کے محلوں میں ہزاروں رنگ کے فانوس تھے
جھاڑ اُن کی قبر پر ہے اور نشاں کچھ بھی نہیں

ادھر نواب صاحب جھوم جھوم کر سر دُھن دُھن کر داد دے رہے تھے ---- اہلِ محفل کی طرف سے نرمانی بیگم پر کلدار روپیوں کی بارش ہو رہی تھی، کیوں کہ ان کی بیٹی نواب صاحب کا دل جیت گئی تھی۔ نواب صاحب خود بھی جب کسی طوائف کے رقص یا گیت کو پسند کر لیتے تو وہ تو جھومتے ہی رہتے اور مصاحبین نواب صاحب کی طرف سے فنکارہ پر روپیوں کی بارش کرتے رہتے۔

باہر دروازوں کے پٹوں سے لگی کنیزوں میں، چلمنوں سے جھانکتی بیبیوں میں، جا جموں پر بیٹھی بھٹیارنوں میں، خوشی کی دبی دبی سرگوشیاں چل رہی تھیں۔

"ہائے اللہ اب محل میں شادی ہوئیں گی۔ خوب مزا آئے گا نا؟"

"پھر کیا۔ نواب صاحب کی شادی کی ساری تیاری تو ہو گئی تھی۔ بس کوئی گانے ناچنے والی ایچ تو پسند نہیں آ رہی تھی۔ سو وہ بھی آ گئی"۔

"اب اگلے مہینے میں ہو جائیں گی نا شادی، کیوں گے؟"

"اب ہونا تو چاہیے ---- پھر کیا معلوم ----"

"اے خدا اگلے مہینے شادی نہ ہو"۔ اصغری اپنی ساتھ والی سے بولی "جتنے دن شادی رُکی رہے گی، نواب صاحب طوائف کو بلاتے رہیں گے اور ہمیں کھانا بھی اچھا اچھا ملتا رہے گا اور روپیہ پیسہ بھی بہت ملے گا ----" یہی ساری بھٹیارنوں کے دل کی بھی آواز تھی لیکن نہ یہ ہوا نہ وہ ہوا۔ وہی ہوا جو ہونا تھا۔ ساری تیاریاں ہوتے ہوتے بھی شادی رُک گئی۔ نہ لڑکیوں بالیوں کے دل کھلے نہ بھٹیارنوں ہی کی دعا قبول ہوئی کہ طوائف بار بار بلوائی جائے کیوں کہ ہوا یہ کہ نواب شوکت یار جنگ کو خود وہ طوائف ایسی پسند آ گئی کہ شادی ٹالتے گئے۔

اور بڑی انہونی بات یہ کی کہ خود ہی ایک دن اس کے دروازے پر جا پہنچے۔

اُس دن شوکت محل سے مال تو اتنا کچھ مِل گیا تھا کہ ماں بیٹی چاہتیں تو عُمر بھر بیٹھ کر کھا سکتی تھیں۔ لیکن گھاٹ گھاٹ کا پانی پی ہوئی زمانی بیگم تو اس دِن سے یکھ آئی تھیں کہ نواب صاحب کس طرح بٹیا پر للھوٹ ہو گئے ہیں اور جو کسی نے کہا ہے کہ طوائف کی نظر سدا مَردوں کی جیب پر ہوتی ہے غلط نہیں کہا۔ زمانی بیگم کا بس چلتا تو پورا شوکت محل ہی اُٹھا کر اپنے گھر میں لے آتیں ــــ اس دِن آتے ہی بیٹی پر بے بھاؤ کی پڑیں۔

"کیوں ری حرام زادی، کون سا تیرا باوا مر گیا تھا کہ دوسے اور مرثیے پڑھنے بیٹھ گئی تھی ــــ میں تجھے کیا سِکھا پڑھا کر لے گئی تھی"

"جی؟" اس نے اپنی خوابناک اور معصوم آنکھیں اُٹھا کر پوچھا۔

"جی کی بچی ــــ میں غرارہ پہنا کر اس لیے لے گئی تھی کہ ناچ بتانا ــــ ناچتے ناچتے غرارہ ذرا سا کھسکا چکتی دمکتی پنڈلی دِکھا دینا ــــ کوئی کوئی سر پھرا مرد عورت کے سارے جسم کو چھوڑ کر بس ٹانگوں پر ہی دَم دیتا ہے، مگر تُو تو ایسی نِکاحی دُلہن بن کر بیٹھی تھی کہ جسم کی ذرا بھی جھلک تک تُو نے نہیں دکھائی۔

"اماں ــــ"، وہ بڑے نرم اور ڈرے ہوئے لہجے میں بولی: "آپ نے مجھے مولوی صاحب کے پاس پڑھنے کیوں بٹھایا تھا؟"

یہ سوال زمانی بیگم کی سمجھ میں نہ آیا۔ جِلبلا کر بولیں:

"اری قرآن شریف پڑھنے کو اور کاہے کو۔ مذہب سے واقفیت کو اور کاہے کو ــــ نہیں تو منکر نکیر تجھے چھوڑ کر مجھے ڈنڈے مارنے نہ آئیں گے جو اُلٹے سیدھے جواب دے تو"

"وہی تو کہتی ہوں اماں ــــ آپ نے تعلیم دِلوائی ــــ میں نے جو پڑھا اسی پر عمل کرنا چاہتی ہوں ــــ مذہب یہ کہاں سکھاتا ہے کہ غیر مردوں کو اپنے جسم سے پرچاؤ۔ مذہب نے تو حیا کی تعلیم دی ہے، اور آپ نے خود میرا نام حیا رکھا ہے۔

"اے چولہے بھاڑ میں جائے جی موئی حیا شرم، اپنی جگہ، پیشہ اپنی جگہ، شرم حیا کو لے کر بیٹھ جائیں تو فاقے نہ کریں۔"

"فاقے کہاں اماں، اتنی دولت تو آپ نے جوڑ لی ہے کہ پشتوں ختم نہ ہو اور ... ..."

اور ایک زناٹے دار ہاتھ حیا کے گال پر پڑا۔

"اری حرام زادی ——— تو حرافہ تیری ماں حرافہ ——— شریف زادی بننا ہے تو پڑھوا لے کسی سے دو بول ——— جب سال پیچھے بچہ پیدا کروائے گا، اور جوتوں لاتوں سے تواضع کرے گا پھر آ کر مجھ سے بات کرنا۔ حرام زادی کے مزاج ہی نہیں ملتے ——— جب گانا سیکھنے کو بٹھاؤ، اُلٹے سیدھے بول اور تان نکالے گی ——— ناچنے کو کھڑا کرو جان جان کر بے تال ہونے لگے گی ——— تیری سات پشتوں میں بھی کسی نے گھر داری اور ہانڈی ڈوئی کی ہے ——— یہ ایک بڑی پردے دار بی بی بننے چلی ہے ——— چھمن خاں!" انہوں نے مونہہ پھیر کر اُستاد کو آواز دی: "لے جاؤ لونڈیا کو اور آج تال دادرا اس کے بھیجے میں پوری طرح بٹھاؤ۔"

چھمن خاں ڈرتے ہوئے آتے تو وہ پھر گرجیں۔

"کیا کہا میں نے؟"

"جی تال دادرا" وہ ڈر کر بولے۔

"ٹھیکہ سناؤ اس کا۔"

"جی ———" چھمن خاں مسمسی صورت بنا کر بولے: "دھا۔ دھن۔ نا۔ دھا۔ تن۔ نا ———"

"اُلو کے پٹھے ہو تم بھی ———" وہ جھنجھنا کر بولیں۔

"ٹھیکہ یوں ہے۔ دھا۔ دھن نا۔ دھا۔ تن نا ——— پہلے تو تم خود آئینے کے سامنے

کھڑے ہو کر اپنی میت جیسی صورت پر فاتحہ پڑھو ـــــ اس کے بعد لونڈیا کو پرنام کر مجھے ـــــ" وہ اُٹھ کر پاؤں پٹختی خود ہی چلی گئیں ـــــ چمن خاں روتی ہوئی آواز میں بولے :

"بیٹیا آپ انہیں غصہ دلا دیتی ہیں، ہم غریب مارے جاتے ہیں ـــــ ساری عمر ساز سنگیت لَے، تال، ٹھیکوں میں گزری پر اللہ قسم جب غصے میں ہوتی ہیں تو سارا فن بھلائے دیتی ہیں ـــــ اس دِن بھی آپ پر غصہ ہوئیں اور میں غلط وقت پر غلط راگ کا نام لے بیٹھا ـــــ اب کون نہیں جانتا کہ میاں کی ملہار، جے جے ونتی، درباری، رات کے راگ ہیں ـــــ وہ کچھ بولیں، میں کچھ سمجھا۔ بول بیٹھا بھیرویں، اساوری چڑھتی رات کے راگ ہیں ـــــ حالانکہ میری تو عمر اسی ..... "

حیا دھیرے دھیرے آنسو بھری آنکھیں اٹھا کر بولی :

"بابا آپ خواہ مخواہ دِل چھوٹا کرتے ہیں ـــــ یہ تو میں خود ہی منحوس ماری ہوں کر آپ کے لئے پریشانی کا باعث بن جاتی ہوں "

"میرا کچھ نہیں جاتا بٹیا ـــــ آپ کے لئے میرا دِل دُکھتا ہے۔ آپ ان کی بات مانتی کیوں نہیں آخر؟"

"بابا جب آنکھوں میں سبز رنگ ہوں، جب یہ منظر بار بار کلیجہ مسوستا ہو کہ میں اُبٹن اور مہندی سے مہکی ہوئی ہوں، گوٹے، ستاروں سے لدے جوڑے میں دُلہن بنی ہوئی ہوں، پاؤں کے بچھوے وہ موسیقی سُنا رہے ہوں جو آج تک کسی موسیقار نے تخلیق نہیں کی۔ پھولوں سے سجی بابل کی آنگن میں لگی ہوئی ہے ـــــ نئی زندگی کی بے پناہ خوشی اور خواہش آگے بڑھنے پر اُکساتی ہے۔ لیکن پھر بھی میں کواڑ کے پٹ مضبوطی سے پکڑ لیتی ہوں، کہ نا، نا مجھے اس آنگن کو۔ بیتو کے اس دیس کو نہیں چھوڑنا ہے ـــــ نہیں دھیرے دھیرے کواڑوں سے جُڑی میری اُنگلیاں چھڑاتی ہیں کہ جاؤ بہنا یہی تمہارا ہمارا سب کا نصیبہ ہے۔

کھائی موتہہ پھیرے آنسو چھپانا چاہتے ہیں، اور میں ایک پل روتی، ایک پل مسکراتی ——— آنسوؤں سے ہوتہہ دھرتی پالکی میں بیٹھ جاتی ہوں۔ جس کے ساتھ گھوڑے پر چڑھے وہ بیٹھے ہیں ——— پیچھے مڑ کر دیکھتی ہوں تو آنکھوں میں آنسو اور دُنیا بھر کا پیار لئے اماں ابا کھڑے نظر آتے ہیں تو میں پھوٹ پھوٹ کر رو دیتی ہوں کہ اتنے میں ایک ہاتھ میرا ہاتھ تھام لیتا ہے اور جیسے ساری دُنیا کی خوشیاں میری گرفت میں آجاتی ہیں۔

بابا مجھے ایک ہاتھ چاہیئے۔ بس ایک ہاتھ۔ ایک ہی کا ہاتھ ———"

"آپ میری بات کا جواب کبھی نہیں دیتیں بٹیا ———"

"بابا ———" حیا اپنے آپ کے خول سے چونک کر نکلی۔ چلئے ریاض کرلیں، ورنہ اماں میرے ساتھ ساتھ آپ پر بھی غصے ہوں گی ———" وہ ابھی دوسرے کمرے میں پہنچی بھی نہ تھی کہ بڑے دروازے پر دستک ہوئی۔ چھمن خاں لپکے۔ اِدھر اُدھر سے ساری لڑکیاں بھی نکل آئیں۔ زمانی بیگم وہیں سے وزیرن کو ٹھیلنے لگیں۔

"اری یہ کوئی نیا آدمی جان پڑتا ہے جو دستک پہ دستک دئے جا رہا ہے۔ ورنہ جان پہچان کا ہوتا تو یونہی چلا نہ آتا ——— بھلا ہمارے سدا کے کھلے پڑے دروازے پہ کوئی دستک کیوں دے گا؟"

پتہ چلا کہ نواب شوکت یار جنگ کا فرستادہ آیا ہے کہ شام کو نواب صاحب خود تشریف لانے والے ہیں۔

چوک میں ایسے نصیب کس کے ہوئے تھے؟ اے لو وہ باورچی کہ توبہ ——— اب رات آدھی رات کے جاگے تو ابھی ابھی گھر پہنچے تھے ——— صبح ہوا ہی چاہتی تھی۔ دن بھر تو سونے میں کٹ جاتا ہے۔ جب رات بھر کے جگے ہوئے ہوں گے اور شام ہی شام کو جو نواب صاحب آجائیں تو گھر کو سجانے، سنوارنے، خود اپنے نہانے دھونے، بننے سنورنے میں کچھ تو وقت لگے گا ہی۔" یوں کہ وہ چھمن خاں نواب صاحب سے کہلا دو مغرب

کے ہی تشریف لائیں کہ بندی نماز سے بھی فراغت پالے ——— اچھا ہے بڑے لوگوں پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے۔ اگر انہیں پتہ چل جائے کہ گانے بجانے جیسے پیشے کے ساتھ ساتھ نماز روزے کی پابندی بھی کی جاتی ہے۔"

عصر کے وقت زمانی بیگم سو کر اُٹھیں بے ہنگم سے خوب اونچے پلنگ پر پھونسڑے نکلے میلے تکیوں اور پھٹی پُرانی چادر پر پڑے پڑے انھوں نے نیچے جھانک کر اُگالدان نکالا اور صبح کا دبا ہُوا پان پٹاخ سے اُگالدان میں تھوک دیا۔ پان کلے میں دبا رہے تو بات نہیں کی جا سکتی نا۔ اب وہ گالیاں دینے کے لئے آزاد تھیں، مونہہ میں پیک وغیرہ کچھ نہ تھا۔

"جمالن، او جمالن۔ کدھر مرگئی سور کی جنی۔ اری او صابرہ۔ او خصموں دیوانی ——— اری او نا تحقیق کی اولاد جھنّو۔ کوئی نہیں سنتا ——— اری او دگارن۔ موئی ساری جہنم کی کندیاں، مرجاؤ سب کی سب اللہ کرے منکر نکیر ڈنڈے لے لے کر تمہیں سارے جہنم میں گھمائیں۔"

صابرہ دوسرے کمرے میں مونہہ دبا کر ہنستی ہوئی بولی:

"ہم نے تو کبھی یہ سنا اور پڑھا ہے کہ منکر نکیر قبر میں آتے ہیں نا کہ پورے جہنم میں آپا دھاپی اور چھپا کا کرتے پھرتے ہیں۔"

"ایسے موٹے موٹے کیڑے پڑیں تمہاری قبروں میں کہ جیسے سانپ۔" زمانی بیگم کی آواز مسلسل آرہی تھی۔

جھنّو ایک نمبر کی حرامی تھی ——— کتابیں رسالے پڑھ پڑھ کر زبان بھی بہت تیز کر چکی تھی۔ ہنس کر دھیرے سے بولی:

"یہ مسلسل قبر اور دوزخ کو گڈ مڈ کئے جا رہی ہیں۔ کوئی انہیں سمجھائے کہ کیڑے قبر میں پڑیں گے اور سانپ دوزخ میں ہوتے ہیں۔"

"ارے نہ نواب کی اولاد اُٹھی یا نہیں بے حیا۔"

"واہ بھئی، بچپن میں تو حیا نام رکھا اور اب اس میں بے کا اضافہ کر دیا تو بچپن ہی سے بے حیا رکھ دیتیں۔"

"اب چپ بھی کرو ——" جھنو دھیرے سے بولی: "بے چاری باجی پر پھر سے پڑتال شروع ہو جائے گی۔ لو میں ہی جاتی ہوں ——" بہت معتبر بن کر وہ زمانی بیگم کے کمرے میں پہنچی۔

"جی اماں، آپ نے یاد فرمایا۔"

"اری نگوڑیو! تمہارے کانوں میں پلنگ کی کلیاں پھوٹیں اللہ کرے —— کب سے بلا رہی ہوں، تم سب تیار ہو گئیں یا نہیں —— بس گھنٹے دو گھنٹے میں نواب شوکت یار جنگ آتے ہی ہوں گے۔ دیوان خانے کی صفائی کر لو اور پاندان، ناگردان، اگالدان، خاص دان سب صاف کر کے قرینے سے لگا دو۔"

"اور کچھ اماں جان ——" صابرہ بظاہر بے حد سنجیدہ بن کر آ کھڑی ہوئی تھی ——

"اور کچھ نہیں ——" وہ خفگی سے بولیں۔ "لیکن ہاں سنو، جب نواب صاحب آ کر بیٹھ جائیں اور میں جائے اور لوازمات کے لئے کہوں تو مجھے جواب دینا کہ اماں کم بخت ماری چابیاں نہ جانے کہاں کھو گئی ہیں، ڈھونڈ ڈھونڈ کر بے زار ہو گئے سب، ملتی ہی نہیں۔ بس اتنا کہہ کر واپس چلی جانا۔"

جمالن حیرت سے بولی، "اماں بی بی اس سے کیا نتیجہ برآمد ہوگا؟"

"اری سو ترافاؤں کی ایک ترافہ۔ اس سے یہ نتیجہ برآمد ہوگا کہ نواب صاحب خود ہی بٹوے میں سے سو پچاس روپے اچھال دیں گے، یہ بھی مانگنے کا ایک طریقہ ہے، لیکن ایسا کہ ہاتھ بھی نہ پھیلے اور ہاتھ بھی بھر جائے۔"

حیا باز کے کمرے میں سخت بے چینی کے عالم میں ساری باتیں سن رہی تھی۔ اُسے

یقین تھا کہ ابھی چند لمحوں میں اماں آکر چھاتی پر سوار ہو جائیں گی۔

"میری جان! یہ زیور پہن لے۔ میری بچی یہ جوڑا چڑھا لے۔ سنگھار کر لے۔ پھول سجا لے ـــ کتنا بچیں گی، ہر بار۔ دھپیٹ کر، مار دھکے، جوتے لاتیں کھا کر بھی تو میں ان کا کہنا بالآخر مان لیتی ہوں تو شروع سے ہی کیوں نہیں مان لیتی ـــ میرے دل میں انکار کا جذبہ آخر پیدا ہی کیوں ہوتا ہے ـــ آخر میرے ساتھ کی یہ سب لڑکیاں بھی تو ہیں۔ جمالن، چھٹو، صابرہ، دلارن، بیگو یہ تو اماں کی ہر بات سن لیتی ہیں بلکہ لڑ لڑ کر زیور کپڑا مانگتی ہیں پھر محفل سجتی ہے تو جان جان کر پھیرے لگاتی ہیں کہ زیادہ سے زیادہ مردوں کی نظریں ان پر پڑیں یوں چلیں گی کہ کسی نہ کسی مرد سے اُن کے جسم کا کوئی حصّہ ضرور مس ہو جاتے۔ کوئی انہیں تحفہ دے دے تو کس طرح خوش ہوتی ہیں ـــ اکیلے دُکیلے میں مردوں سے لپٹ بھی جاتی ہیں ـــ میں کیوں ان سب جیسی نہیں بن جاتی ـــ اماں کی آخر کتنی گالیاں، کتنی گھڑکیاں، کتنے کوسنے، کتنے تھپڑ میرا مقدر بنیں گے ـــ سامنے اماں کھڑی تھیں۔

"اے ہے کیا چاند سا چہرہ نکل آیا ہے میری بچی کا ـــ دیکھو بھلا کبھی کبھی بے آرامی بھی حسن کا باعث بن جاتی ہے ـــ نہ نیندیں کم ہوتی، نہ چہرہ یوں زرد پڑتا ـــ اچھا بٹیا اب اٹھ کر جلدی سے چوڑی دار پاجامہ کرتا اور کرن بانکڑی والا دوپٹہ تو اوڑھ لے!"

چوڑی دار ـــ؟ حیا سہم کر بولی۔

"اے وہی تو کہوں بیٹی۔ چوڑی دار پاجامہ پہننے سے جسم کے صحیح نقوش اُبھر کر آتے ہیں ـــ ماہر درزی کی سلائی ہو تو پتہ ہی نہیں چلتے ہے کہ پاجامہ کدھر اور جسم کدھر۔ بس یوں چپک جاتے ہے ـــ اری بٹیا تجھے کتنا سمجھاؤں کہ مرد کو پرچانا کوئی بڑی بات نہیں۔ بس سارا گُر ایک ہی گر میں پوشیدہ ہے۔ ہاتھ مت آؤ۔ وہ دو قدم آگے آئے، تم دو قدم پیچھے ہٹ جاؤ۔ وہ تمہاری آنکھوں کی تعریف کرے تو اس پر سے اپنی آنکھیں ہی ہٹا لو ـــ وہ مست مست تمہیں دیکھتا رہے، دیکھتا رہے، تم ایک آدھ چھوٹی سی نظر یوں ہی پھینک دو،

یوں کہ وہ یہ حرکت تمہاری دیکھ ضرور لے ـــــ لیکن پھر انجان بن جاؤ اور کن انکھیوں سے محسوس کرتی رہو کہ وہ دیکھ تم ہی کو رہا ہے ـــــ جال میں پھنسے طائر کی طرح اسے تڑپنے دو، مچلنے دو، جال تنگ سے تنگ کرتی جاؤ، آزاد مت کرو ـــــ" انھوں نے لفظ آزاد پہ زور دے کر پھر سے کہا " آزاد مت کرو ـــــ کیوں؟ کیوں کہ ایک بار وہ پرندہ ہاتھ سے نکل کر اڑ گیا تو سمجھو ہار ہو گئی، اور بٹیا ہمارے پیشے میں عورت کی ہار، اس کی موت ہے اور موت سے بچنا ہے تو مرد کو تڑپاؤ، اور مرد کو تڑپانا ہے تو جسم کا سہارا لو۔ اور سنو پتے کی بات۔ جسم بھی ضروری ہے لیکن اس سے زیادہ ضروری تمہارے چہرے کی دولت ہے۔ یہ چہرہ ـــــ یہ عورت کا چہرہ کسی افسوں سے کم نہیں ـــــ اس میں جڑی ہوئی بظاہر یہ بے ضرری آنکھیں مگر یاد رکھنا کارزارِ حیات کے سارے فیصلے اسی میزان کے سائے میں ہوتے ہیں ـــــ بظاہر ایک چھلکتی ہوئی سی نگاہ اچھے خاصوں کو منزل سے بھٹکا دیتی ہے۔ پھر دو ہونٹ عورت کا انمول ترین خزانہ۔ یہ مسکانے پر ہی آجائیں تو مرد کی کیا ہستی ہے بے چارے کی ـــــ دھیرے سے کھلتے ہوئے ہونٹ اور بند ہوں تو ہلکی سی مسکراہٹ کی آنچ دیتے ہوئے ہونٹ۔ یاد رکھنا بیٹی، شراب و راب میں کچھ بھی نہیں دھرا ـــــ شراب کا لبریز، حواس گم کر دینے والا پیالہ تو خود عورت کا وجود ہے۔ جس میں چہرہ سرِ فہرست ہے۔ میں نے ناک کا ذکر نہیں کیا اور اس لئے نہیں کیا کہ اس میں ایک چھوٹی سی نتھنی ہوتی ہے، جو مرد کو اپنے گھیرے میں باندھ لیتی ہے اور نتھ اتر جائے تو نکیل ناک میں پڑ جاتی ہے ـــــ اور یہ بھی نہ بھولو کہ عورت مرد کی پسلی سے، دل کے قریب سے پیدا ہوئی ہے۔ اور اس لئے دل کے قریب سے پیدا ہوئی ہے کہ وہ مرد کے دل پر راج کرے ـــــ نہیں تو وہ مالک وہ کارساز جس کا رچایا ہوا یہ سارا کھیل ہے، وہ عورت کو مرد کے پیروں سے قدموں سے بھی پیدا کر سکتا تھا تاکہ ساری عمر پیروں میں رُلتی رہے۔ لیکن نہیں وہ دل کے قریب سے نکالی گئی ہے، تاکہ دل پر بادشاہت کرے۔ اور تم بھی عورت ہو ـــــ خوب صورت جسم اور گمراہ کن چہرے کی مالک ہو، اس لئے بٹیا بادشاہی کرو۔ ایک زمانے کو اپنے

قدموں میں جھکالو کہ بادشاہی کے آداب ہی یہ ہوتے ہیں کہ غرور سے تنے ہوئے سروں کو اپنے حضور جھکایا جائے نہ کہ خود سربسجود ہو جایا جائے۔" اٹھو ـــــ میں نے دنیا دیکھی ہے۔ دنیا نے بھی مجھے دیکھا ہوگا۔ لیکن میں نے دنیا کو زیادہ غور سے دیکھا ہے اور زیادہ سمجھا ہے اور یہ بھی سمجھ گئی ہوں کہ نواب شوکت یار جنگ تو تم سے دل ہار ہی بیٹھے ہیں۔ لیکن تم بھی ان کے سحر میں آگئی ہو اور یہی چیز غلط ہے، بلکہ سب سے غلط چیز یہی ہے۔ لوگ مندر میں ماتھا ٹیکنے آتے ہیں۔ مندر خود کسی کے آگے نہیں جھکتا ـــــ" حیا نے گھبرا کر سر اٹھایا۔ تبانی بیگم نے بغیر سانس لئے اپنا بیان جاری رکھا: "میں تمہاری ماں ہوں۔ جیسی بھی ہوں تمہاری ماں ہوں۔ تمہاری بھلائی ہی چاہوں گی اور جو تم مذہب مذہب کی دہائی دیتی پھر رہی ہو تو یہ تم نے خود ہی مذہب میں پڑھا ہوگا کہ ماں بہرحال ماں ہوتی ہے اور اس کے قدموں کے نیچے جنت ہوتی ہے ـــــ عاقبت کی خبر خدا جانے ـــــ اس دنیا میں تو کم از کم میں تمہیں جنت بخش دوں اور جنت کے حصول کے لئے صرف دولت درکار ہوتی ہے بٹیا صرف دولت ـــــ اور جب کہ دولت خود تمہارے دروازے تک چل کر آئی ہے، اسے انہیں نہ ٹھکرا دینا۔"

نواب شوکت یار جنگ سخت بے دلی سے بیٹھے ہوئے تھے ـــــ وہ ان نوابوں میں سے تھے جو خود کسی طوائف کے در پر جبہ سائی کرنے نہیں جاتے ـــــ گن گن روپیہ گن دو ـــــ ناچنے گانے والیاں خود ہی حاضر۔ یہاں دل چوٹ کھا گیا تھا ـــــ روک ٹوک کسی کی نہ تھی۔ سیدھے اٹھ کر چلے آئے ـــــ عجیب اٹ پٹا سا ماحول تھا۔ جس دیوان خانے میں وہ بیٹھے ہوئے تھے، وہ صاحب خانہ کے حسابوں بڑی اچھی طرح سنوارا گیا تھا۔ مگر وہ سخت بدمزہ ہو رہے تھے ـــــ دیوان پر جو سیج نما بستر لگا ہوا تھا اس کے پیچھے ہاتھ کے رنگے گلابی ململ کے ٹکڑوں سے گلاب کے پھول بنا کر دیوار گیریاں بنائی گئی تھیں ـــــ دیواروں کو گوند سے کپڑا چپکا کر بالکل ڈھانپ دیا گیا تھا۔ اور اس پر

جا بجا دبی گلاب کے کپڑے والے پھول ٹانک دئے یا چپکا دئے گئے تھے۔ گدا موٹا ضرور تھا لیکن جانے اس میں گھر بھر کے بیکار پھٹے پرانے کپڑے ٹھونس دئے گئے تھے یا ناریل کے کھوپچے بُرادہ اور رسیاں بھر دی گئی تھیں کہ عجیب اوبڑ کھابڑ ہو گیا تھا —— سطح بے حد ناہموار تھی، اور کم بخت گاؤ تکیہ مرے ہوئے ہاتھی کے بچے کی طرح پسرا پڑا تھا —— وہ نشست جمانے کے لئے بار بار کہنی کے نیچے سے کونے میں بھرنے کے لئے تکیے کو سمیٹتے اور وہ پہلو سے نکل بھاگتا —— ایک طرف کھونٹی پر مُردہ باسی ہار لٹک رہے تھے۔ چلو لٹک رہے تھے تو ٹھیک تھا۔ مچھروں کے پرے کے پرے آکر ان پر جھول رہے تھے جو ہاروں سے کبھی کبھار بے زار آکر نواب شوکت یار جنگ کے جھنڈ بالوں پر دھاوا بول دیتے —— پاندان، ناگردان، اگال دان غرض کئی دانوں کی قطار بچی کھڑی تھی جو انہیں سخت بے ڈھنگی لگ رہی تھی۔

"عجیب نااہل لوگ ہیں ——" انہوں نے اُلجھ کر اپنے آپ ہی سوچا —— "اگال دان کسی چیز کی اوٹ میں رکھ دیتے یا دیوان کے نیچے کھسکا دیتے —— یہاں رکھنے کی کیا تُک تھی —— خواہ مخواہ دیکھ دیکھ کر متلی ہو رہی ہے"

نیچے دوسرے گدیلے پر ایک طرف ہارمونیم، مردنگ دونوں طبلے، دایاں، بایاں، سارنگی اور ایک ڈھولکیا پڑی ہوئی تھی۔ چینی کے آڑے ٹیڑھے ناہموار ٹکڑے فرش میں جڑے ہوئے تھے اور ناچنے کے لئے ایک گول دائرہ سا بنا دیا گیا تھا —— ایک طرف دیوار سے گھنگرو بھی لٹک رہے تھے —— سخت بیزار کُن ماحول تھا —— اور اگر اس سے بھی ہزار گنا، لاکھ گنا بیزار کُن ماحول ہوتا بھی تو کیا تھا اگر نگاہ اُٹھانے پر ایسی حسین اور سر سے پیر تک سہمی ہوئی سی مورتی نظر آجاتی جو کہ اس وقت نظر آرہی تھی اور نواب شوکت یار جنگ پلک تک جھپکانا بھول گئے تھے۔ اس وقت پلک جھپکانا گویا خدا کی نعمتوں سے ناشکر گزاری کا اظہار ہوتا —— گہرے ہرے چمکیلے ساٹن کا پنڈلیوں پر کسا ہوا پاجامہ

اسی رنگ کا کمر سے تنگ اور نیچے جا کر گھیر لیتا ہوا کرتا۔ جس کی آستینیں جالی کی تھیں اور مدور شانے جھلک جھلک کر ایمان خراب کئے دے رہے تھے ۔۔۔ جالی کا سبز رنگ کا چکیوں بھرا دوپٹہ جس پہ کرن بانکڑی کی جھالر سجی تھی ۔۔۔ وہ جھالر پھول پھول چہرے کو چاند چاند کئے دے رہی تھی۔ اس نے جب کمر کو قدرے خم دے کر آداب کیا تو اتنا تو شوکت نواب کو یاد رہ گیا کہ ہاں اس نے آداب کیا تھا۔ لیکن ساتھ ہی اس نے جو آنکھیں اُٹھا کر دیکھا تھا وہ سارا سلسلہ ایک تہہ در تہہ راز تھا۔ ایسی باتیں کرتی ہوئی آنکھیں۔ ایسی وعدہ کرتی ہوئی آنکھیں ایسی جان نہ پہچان پر یہ شکوہ کرتی ہوئی آنکھیں انہوں نے کبھی نہ دیکھی تھیں ۔۔۔ وہ یوں ہی کھڑی کھڑی انہیں بڑے پیار اپنایت سے دیکھتی رہی اور وہ سوچتے رہے سوچتے رہے کہ اپنی شادی کو کیسے ٹالیں ۔۔۔ شادی، جس شادی کے سلسلے میں انہیں یہ انمول سوغات ملی تھی ۔۔۔ شاید وہ اس اصول پر کاربند تھے کہ باتیں کرنے سے لمحوں کی وقعت گھٹ جاتی ہے ۔۔۔

بڑے بے ڈھنگے پن سے جس میں کچھ جھجکنے کی بھی چھاپ تھی۔ نواب صاحب بولے۔

"رات کو آپ کتنا اچھا گا سکیں۔ ہمارا تو مرنے کو جی چاہنے لگا ہے۔"

"میں معافی چاہتی ہوں کہ اس نااہل نے محفل کو رنگ دکھانے اور کچھ سوچا اور ماحول کو غمگین کر دیا۔ دراصل مجھے غم سے اُنس ہے ۔ اس کی لہر مارتے پانی کی طرح صاف و شفاف آواز۔ اس کا نفیس لہجہ۔ نکھری ستھری بات چیت سُن کر نواب صاحب سے داخجل ہو گئے۔ بولے:

"آپ کہاں کے ہیں؟ ہمارا مطلب آپ کا وطن؟"

"جی ۔۔۔ یہی حیدرآباد دکن ۔۔۔" اس کے لہجے سے حیرت عیاں تھی۔

"یہ آپ نے کیوں پوچھا؟"

اسی لمحے سلیقے اور نفاست کی پُتلی بنی زمانی بیگم بھی کمرے میں آ گئی۔ نواب صاحب نے

اسی رنگ کا کمر سے تنگ ۔۔ نیچے جا کر گھیر لیتا ہوا کرتا۔ جس کی آستینیں جالی کی تھیں اور مدور
شانے جھلک جھلک کر ایمان خراب کیے دے رہے تھے ——— جالی کا سبز رنگ کا چکیوں بھرا
دوپٹہ جس پہ کرن بانکڑی کی جھالر سجی تھی ——— وہ جھالر پھول پھول چہرے کو چاند
کیے دے رہی تھی۔ اس نے جب کمر کو قدرے خم دے کر آداب کیا تو اتنا تو شوکت نواب کو یاد رہ
گیا کہ ہاں اس نے آداب کیا تھا۔ لیکن ساتھ ہی اس نے جو آنکھیں اُٹھا کر دیکھا تھا وہ سارا
سلسلہ ایک تہ سے دراز تھا۔ ایسی باتیں کرتی ہوئی آنکھیں۔ ایسی وعدہ کرتی ہوئی آنکھیں
ایسی جان نہ پہچان پر بے پرشکوہ کرتی ہوئی آنکھیں انہوں نے کبھی نہ دیکھی تھیں ——— وہ
یوں ہی کھڑی کھڑی انہیں بڑے پیار اپنائیت سے دیکھتی رہی اور وہ سوچتے رہے سوچتے
رہے کہ اپنی شادی کو کیسے ٹالیں ——— شادی، جس شادی کے سلسلے میں انہیں یہ انمول
سوغات ملی تھی ——— شاید وہ اس سوال پر کار بند تھے کہ باتیں کرنے سے لمحوں کی وقعت
گھٹ جاتی ہے ———

بڑے بے ڈھنگے پن سے جس میں کچھ جھجکنے کی بھی چھاپ تھی۔ نواب صاحب بولے۔

"رات کو آپ کتنا اچھا گا سکیں۔ ہمارا تو مرنے کو جی چاہنے لگا ہے۔"

"میں معافی چاہتی ہوں کہ اس نااہل نے محفل کو رنگ سکھانا اور کچھ سوچا اور
ماحول کو غمگین کر دیا۔ دراصل مجھے غم سے اُنس ہے ——— اس کی لہر سارے پانی کی طرح صاف و
شفاف آواز، اس کا نفیس لہجہ، نکھری ستھری بات چیت سن کر نواب صاحب ذرا خجل
ہو گئے۔ بولے:

"آپ کہاں کے ہیں؟ ہمارا مطلب آپ کا وطن؟"

"جی ——— یہی حیدرآباد دکن ———" اس کے لہجے سے حیرت عیاں تھی۔

"یہ آپ نے کیوں پوچھا؟"

اسی لمحے سلیقے اور نفاست کی پتلی بی زمانی بیگم بھی کمرے میں آگئی۔ نواب صاحب نے

انہیں نظر انداز کرتے ہوئے حیا سے اپنی بات کا سلسلہ جاری رکھا۔
"اب لہجے اور بات چیت سے تو حیدر آباد کے نہیں دِکھتے۔

"اے حضور بات سے بات نکلتی ہے دیکھئے نا، مَرد کی فطرت میں خداوند قدوس نے تنوع پسندی اور رنگا رنگی رکھ دی ہے۔ آپ جیسے قدرداں جب زحمت اُٹھا کر آتے ہیں تو یقینی اپنے ماحول سے ہٹ کر نیا پن چاہتے ہیں۔ آپ کے گھر کی بیگمات اب دکنی اُردو تو بولتی ہی ہوں گی ——— یہاں آکر آپ کو ایک نیا پن ملا نا ——— آپ کا دِل خوش ہو یہی ہماری زندگی ہے ——— پھر نانی بیگم نے بطورِ خاص نواب صاحب کو خوش کرنے کے لئے کہا "جب آپ سے کم تر لیکن لکھنؤ، دہلی یا شمال کے رئیس اُمرا، آتے ہیں تو میں بٹیا کو کہتی ہوں کہ ان سے دکنی اُردو میں بات کرے کیوں کہ یہ چیز اُن لوگوں کے لئے انوکھی اور دِل کھینچ ہوتی ہے۔ میری بٹیا دونوں طرح بڑی روانی سے بولتی ہے ——— آپ پسند فرمائیں تو وہ آپ سے آپ ہی کے ماحول کی بات کرے ———"

نواب صاحب بیزار ہو کر بولے : "ہم کو ان کی زبان سے زیادہ بے زبانی پسند ہے وہ بہرحال ایک نواب تھے اور دِل کی بات دِل میں نہیں رکھ سکتے تھے۔ ذرا رُک کر بولے :
"اور آپ باتاں بہت کرتے ہیں"

"اے حضور، ساری زندگی ان باتوں ہی کی تو کمائی کھائی ہے" یا بے غیرتی تیرا آسرا۔ وہ مذمت کو بھی جان بوجھ کر تعریف کے زُمرے میں گھسیٹ لے گئیں۔ ایک دم انہوں نے ذرا زور سے پکار کر کہا :

"اے وزیرن ——— لڑکیوں میں سے کسی کو بھیجو۔ چائے پانی کا کچھ تو انتظام کرو نیک بختو!"

حسنو مٹکتی ہوئی آئی اور بولی : "اماں بی بی ——— نگوڑی چابیاں ہی جنے پڑ گئیں ———"

"وزیر بی سے پوچھا ہوتا ـــــــ" وہ بن کر دِسا فبکر مندی سے بولیں۔ یا ظہورن سے پوچھ لو ـــــــ"

"اُئی میرے کو کیا معلوم ماں ـــــــ میں کسی کے لینے میں نہ دینے میں۔ سارے چھوکریاں دن بھر بستر گھوس لیتے پھرتے۔ وہ نیچ میں ہوں گی۔ چادراں اُٹھا کو دیکھنے کیا؟" ماما بی نے حلفیہ بیان دُور ہی سے اتنی زور سے دیا کہ نواب صاحب خود ہی بول اُٹھے۔

"کمال کرتے ہیں آپ بھی ـــــــ چابیاں کھو گئے تو کیا فرق پڑ گیا۔ لیجئے یہ بھی آپ ہی کا روپیہ ہے۔" اور انہوں نے پورا بٹوہ ہی اُنڈیل دیا۔

حیا نے بڑی تکلیف سے اماں کی طرف دیکھا ـــــــ موُنہہ سے کچھ نہ بولی۔

موُنہہ سے بولنے کی وہ قائل تھی بھی نہیں ـــــــ بعض لوگوں کو خدا ایسی آنکھیں دیتا ہے جو کئی زبانوں پر بھاری ہوتی ہیں اور حیا کی آنکھیں بھی انہی آنکھوں میں سے تھیں ـــــــ

اس دن جب نواب شوکت تشریف لائے تو زمانی بیگم نے جان بوجھ کر بٹیا کو تنہائی کا موقع بخش دیا۔

"یاد رکھ!" انہوں نے تنبیہہ کی: "تنہائی مرد کو شیر بنا دیتی ہے اور وہ اپنے شیر ہونے کو ایک لمحے کے لئے بھی نہیں بھول پاتا ـــــــ شکار پر جھپٹ پڑنے کو بے قرار ہو جاتا ہے ـــــــ اب یہ تیرا کام ہے کہ تو کس طرح اپنے آپ کو بچاتی ہے۔ جب تک بچی رہے گی تبھی تک وہ جھومتا رہے گا ـــــــ آگے پیچھے، پیچھے آگے۔ ایک بار اس کے ہاتھ تیرے گریبان تک پہنچ گئے تو سمجھ لینا کہ تیرے سارے منتر اور داؤ اوچھے پڑ گئے۔"

حیا نے سوچا: "یہ میری ماں ہے!"

نواب صاحب آتے۔ ان کے آنے میں تو کوئی خاص بات نہ تھی۔ کئی لوگ آتے ہیں

لیکن جب وہ جانے لگے تو حیا کو احساس ہوا کہ اماں کی تجربہ کار اور جہاں دیدہ نظروں نے شاید غلط نہیں سمجھا تھا ـــــ انہوں نے تو جانے کے لئے صرف دیوان چھوڑا تھا۔ حیا کو لگا کہ اس کے دِل نے اپنی جگہ ہی چھوڑ دی ہے۔

جاتے جاتے وہ بڑی لگاوٹ سے بولے :

"آپ کوئی بات تو کرتے ہی نہیں ـــــ ہمارا آنا جانا سب بے کار ہی لگتا ہے ہم نا ـــــ"

حیا صرف مُسکرا کر رہ گئی ـــــ وہ دروازے تک پہنچ کر عجیب سے ترسے ہوئے لہجے میں بولے۔

"خدا کے واسطے ایسے مت مُسکرانا کبھی ـــــ کبھی بھی نہیں ـــــ ہم دِل کے بہت کچے آدمی ہیں ـــــ"

حیا نے وہیں کھڑے کھڑے اماں کی ساری نصیحتوں کو بُھلا کر بے چارگی سے کہا :

"کچھ دیر اور نہیں رُکیے گا ؟" نواب صاحب جیسے اسی ایک جُملے کے منتظر تھے۔ تیزی سے پلٹے اور قریب آ کر اس بُری طرح حیا کو لپٹایا کہ اس کی سانس اس کے سینے میں گھُٹ گئی ـــــ

ایک طوائف کی سب سے بڑی بدنصیبی یہ ہوتی ہے کہ وہ یہ جملہ نہیں کہہ سکتی : "کوئی دیکھ لے گا تو کیا کہے گا" اس لئے کہ وہ جانتی ہے کہ اس کی زندگی ہی یہ ہے۔ کوئی دیکھے گا بھی تو کچھ نہیں کہے گا ـــــ کیوں کہ وہ جس منڈی اور جس بازار کی مسند پر بیٹھی ہوئی ہے وہاں سب سے پہلے شرم ہی نیلام ہو چکی ہوتی ہے ـــــ لیکن یا تو یہ تھا کہ حیا کے دِل نے اُسے طوائف ہی نہیں مانا تھا۔ یا پھر یہ تھا کہ شرم و حیا کی پونجی اُس نے ابھی تک سنبھال کر رکھی ہوئی تھی۔ وہ کسمسا کر بولی :

"خدا کے لئے نواب صاحب کوئی دیکھ لے گا تو کیا کہے گا ـــــ" نواب صاحب

اس وقت ایسی سلطنت کے بادشاہ تھے جس کے چھن جانے کا دُور دُور تک شائبہ
خوف نہ تھا۔ بڑے مضبوط لہجے میں بولے :

"کوئی دیکھ لے گا تو کیا کہے گا ـــــ یہی کہے گا کہ ایک دُولہا اپنی دُولہن کو پیار کر رہا ہے۔"

"نہیں ـــــ"

"نہیں ـــــ نہیں ـــــ"

وہ چیخ اٹھی : "یہ جھوٹ ہے ـــــ یہ جھوٹ ہے ـــــ میری دنیا کی کسی عورت نے آج تک اتنا بڑا فریب نہیں سہا۔" اس نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لئے ـــــ اس کا نازک وجود کانپے جا رہا تھا ـــــ

"میری دُنیا ـــــ ؟" نواب حیرت سے بولے۔

"تمہاری دُنیا ـــــ ؟ وہ کون سی دنیا ہے؟ نادان لڑکی ہم تمہیں اپنی پناہ میں لے لئے تو ہماری تمہاری دُنیا تو ایک ہو گئی نا؟"

اس نے دھڑ دھڑ دھڑکتے دِل کو تھاما۔

"کان یہ کیسی انہونی باتیں سُن رہے ہیں خُدایا کہیں گر کر بے ہوش نہ ہو جاؤں ـــــ"

اس نے دیوان کے کونے میں ٹک کر اپنے آپ کو سنبھالا۔

"آپ کو پتہ ہے نواب صاحب۔ یہ ہماری محض تیسری ملاقات ہے۔"

"جی ہو ـــــ پھر؟" وہ حیرت سے بولے۔

"اور تین ملاقاتوں میں ہم نے ساری باتیں جوڑیں تو پانچ منٹ بھی باتیں نہیں کی ہیں۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے ـــــ پھر ؟"

"آپ کو تو ابھی یہ بھی اندازہ نہیں کہ مَیں کون ہوں، کیا ہوں۔ قدرت نے مجھے کس

مقام پر پہنچا دیا ہے ـــــــ میرے شب و روز کیسے گزرتے ہیں ـــــــ میرے ان ہاتھوں پر ہر روز کس کس کے نام کی مہندی رچائی جاتی ہے ـــــــ کس کس کے پھینکے گئے روپیوں کی جھنکار پر میرے قدم تھرکتے ہیں ۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ میں نے ابھی تک اپنے آپ کو کھویا نہیں ہے ـــــــ لیکن سرکش ہواؤں کے زوردار تھپیڑوں کے آگے کب تک میں اس قندیل کو جلائے رکھ سکوں گی ؟ اس بازار کے خریداروں میں آپ بھی تنہا نہیں ہوں گے اور پھر یہ تو قانونِ قدرت ہے کہ پھل پک جائے تو اُسے توڑ لیا جاتا ہے ۔" اس کے خوب صورت جملوں کی کاٹ سے نواب صاحب سراسیمہ ہوتے جا رہے تھے ـــــــ وہ چپ ہوئی تو وہ بھی دھیرے دھیرے چلتے ہوئے اس کے بازو ہی آکر ٹک گئے ۔

" ہم خود مختار ہیں ـــــــ " وہ آنا ہی بولے ـــــــ اس نے ہلکی سی قاتل مسکراہٹ سے انہیں دیکھا ۔

" اپنے محل کے بڑے بھی ہمی ہیں ـــــــ چھوٹے بھی ہمی ـــــــ ہم اگر تم کو اپنا لیں تو ہمیں کون منع کرنے چلا ؟ "

" آپ نے تو دراصل اس سلسلے میں مجھے بلوایا تھا نا کہ آپ اپنی شادی کے جشنِ مبارک کے موقع پر اپنے حلقۂ احباب میں میرا رقص اور سنگیت پیش کرنا چاہتے تھے ـــــــ آپ بھول گئے ہوں تو یاد دلا دوں ۔ اگلے مہینے کی ہی کسی تاریخ میں آپ کا عقدِ مسعود منعقد ہوگا اور میں حسبِ وعدہ اس میں ناچوں گی ـــــــ آپ کے احباب اور حیدرآباد کے اُمراء اور روسا کا دل بہلاؤں گی اور جب سجی سجائی پالکی میں آپ دُلہن کو محل لے آئیں گے اور آپ کے سہرے سے پھولوں کی پتیاں گریں گی ، اور دُلہن کے گجروں سے مسلی مسلائی کلیاں ٹوٹیں گی تو میں وہی پتیاں اور وہی مسلی ہوئی کلیاں سمیٹ کر اپنا دامن بھر لوں گی اور سوچوں گی : یہ رات میرا بھی مقدر ہو سکتی تھی ! "

نواب شوکت چلائے : " یہ رات میرا بھی مقدر ہو سکتی تھی ۔ نہیں ! وہ ہوگی ۔

ہو گی اور ضرور ہو گی ——"

نواب شوکت کی آواز —— زور دار آواز دروازے کے باہر سے آئی۔ ابھی تو زمانی بیگم لپکی آئیں —— دروازے پر کھنکار کر اُنہوں نے گلا صاف کیا تاکہ بے ترتیب حالت میں ہوں تو نواب صاحب ذرا سنبھل کر بیٹھ جائیں لیکن وہ خود ہی سنبھلے سنبھلائے تھے —— البتہ حیا کی آنکھیں خوشی غم اور ناقابلِ یقین خوش آئند واقعات کے احساس سے گیلی گیلی سی تھیں۔

"اے حضور —— میں نے کہا بفضیبِ دُشمناں طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

"جی —— جی —— نہیں تو —— ہم بالکل اچھے ہیں۔ خُدا کی مہربانی ہے۔ اب ہم چلیں گے ——"

"اے ہے قبلہ —— ابھی آئے ابھی چل دئے —— ابھی تو رات نے اپنی آنکھیں کھولی ہی ہیں۔ ابھی تو جیسے جیسے رات کی زُلفیں اپنی سیاہی کو گہرا کریں گی، دیسے دیسے حیا بتول کے اُجالے دِلوں کو روشن کریں گے —— پھر رات چڑھ لے تو حضور ٹیلے رات کا راگ اور مالکونس سُنیں یا چاندکونس یا مدھ کونس سُن لیں —— اُترتے سُروں کے دِل میں گھر بنانے والے راگ تو سرکار آدھی رات کو ہی سُنے جاتے ہیں۔ اور درد کی وہ لذت بخشتے ہیں کہ آنکھوں تک آئے ہوئے آنسوؤں کو بھی انسان دوبارہ دِل میں اُنڈیل لے اور حضور آنسو بہہ گیا تو دِل صاف اور ہلکا ہو گیا۔ مزا تو یہی ہے کہ آنسو آنکھ کی بجائے دِل میں کھٹکتا رہے —— کھٹکتا رہے، سارے وجود کو رُلاتا رکھے، مگر آپ نہ بہے ——" وہ اُٹھ کر ساز والے گدیلے پر جا بیٹھیں۔

"آؤ بیٹی —— نواب صاحب آئیں اور یوں ہی چلے جائیں —— فقیروں کی سوغات تو یہی سُر ہیں۔"

اِس عرصے میں نواب شوکت بار بار آتے اور ہر بار تہی دامن لوٹے —— وہ ہر بار

اطلاع کروا کر آتے ـــــ پہلے خادمِ خاص اُن کا سندیسہ آ کر پہنچا جاتا ـــــ پھر سورج ڈھلتے ڈھلتے
ان کی شان دار بگھی بھی چرک پہنچ جاتی ـــــ زمانی بیگم روز کی طرح کالے گھٹے سے سجی بنی، اپنی
ساری توم کو بھی سجائے بنائے رکھتیں ـــــ حیا کو ٹھیل ٹھال کر جبراً تیار کروانا پڑتا ـــــ اُن کی
ایک بھی ادا تو کم بخت میں نہیں آئی تھی ـــــ اور یہی غم انہیں کھائے جاتا۔ نہ پہننے اوڑھنے
کا شوق نہ کھانے کھیلنے کا ـــــ نہ مردوں سے آنکھیں لڑانے کا نہ چونچلے دِکھانے کا۔ اس
عمر میں تو شریفوں کی لڑکیاں بھی پہن اوڑھ کر خلیرے، ممیرے، پھپھیرے بھائیوں کو اپنی
چھب جھبیلی دکھا کر نخرے کر کے دل جیتنا چاہتی ہیں ـــــ یہ رنڈی زادی ہو کر بھی سات
پردوں میں چھپی بر لوین کر رہنا چاہتی ہے ـــــ کیا حُسن پایا ہے کم بخت نے اور کیا جسم
دیا ہے اس کو مالک نے ـــــ کیا آنکھیں دی ہیں ربِ کریم نے اور نگاہوں کا انداز ؟
نیلی ناگن کے کاٹے کا منتر مل جاتے۔ مگر اس کے ایک اندازِ نظر کا مول نہ ملے ـــــ لیکن
کم بخت نامراد ـــــ نہ سنگھار کرے، نہ کپڑے لتے میں دِل چسپی لے ـــــ زیور سے تو نگوڑی
کو باپ مارے کا بیر ہے ـــــ ذرا پہنا اوڑھا دوں تو میری اپنی نظر لگنے لگتی ہے، تو مردوں
کا تو کیا حال ہو جاتے ـــــ لیکن نامراد کو مذہب کی تعلیم اور ترجمے سے قرآن شریف
پڑھانا ہی جُرم ہو گیا ـــــ رقص نہیں کریں گی کیوں ؟ بدن کھُل جاتا ہے! ہوں شریف
زادی! بات بات میں مجھی کو اُلٹے طعنے دے گی ـــــ ہونہہ ـــــ شادی کر کے بچے پیدا
کرے گی ـــــ ہانڈی ڈوئی کرے گی ـــــ اسی لئے نامراد پر اتنی محنت کی ـــــ نہ دِن کو
دِن سمجھا نہ رات کو رات ـــــ سنگیت پورا کا پورا جتنا میرے اندر تھا سب اس کے اندر انڈیل
دیا ـــــ رقص کی وہ تعلیم دِلوائی کہ چاہے تو اپنے رقص کے بل پر ساری ریاست حیدر آباد
دکن کے مردوں کو تگنی کا ناچ نچوا دے ـــــ لیکن اڑیل ٹٹو سے تب نا ـــــ زیادہ جور جبر کرو
تو رونے بیٹھ جاتی ہے۔ روئے تو منہ سُوج کر تھتھا بن جاتا ہے۔ پھر ہوا گاہک آتے تو کیسے
اس کا دِل آئے ـــــ ایسے شاعرانہ مزاج کے لوگ کتنے آتے ہیں جو روتی روتی آنکھوں اور

سوگوار حسن پر اپنا آپ فدا کردیں ـــــ ہونہہ ـــــ اُس دن نواب صاحب نے لاگ سُدھ کلیان سن کر کیا کیا تعریفیں کی تھیں ـــــ ڈھلتے سُورج کی سونا بکھیرتی کرنوں کا جال تھا، اور راگ کِدارا ـــــ بے بے نواب شوکت تو جی جی کر مرے اور مَر مَر کر جئے۔ اِن کے لئے بعد میں میں نے یوں ہی اس کا دِل بڑھانے کو کہا کہ دیکھا نواب صاحب کی کیا حالت ہو رہی ؟ تو اُلٹا مجھی سے کہنے لگی : " ساری زندگی ٹھنڈے پانی کو ترسا ترسا کر آپ نے مجھے مارا ہے سدا گرم پانی پلایا کہ ٹھنڈے پانی سے گلے کی رگیں مرجاتی ہیں اور گانا ٹھیک سے نہیں گایا جاتا۔ آپ کو پتہ ہے آپ نے مجھے خداوند تعالیٰ کی کتنی عظیم نعمت، ٹھنڈے پانی سے محروم رکھا ہے۔ حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سرد پانی بے حد عزیز تھا ـــــ کیسی بدنصیب ہوں میں کہ ایسی آسان سُنت کو بھی نہ اپنا سکی ـــــ "

" اے لو ـــــ ٹھنڈا پانی پلا پلا کر کیا مجھے اس کی جوانی اور اپنا بڑھاپا خوار کرنا تھا ـــــ اب میں کہوں کنکنے پانی میں بھلا کیا بُرائی ہے ـــــ کیا ہم نے نہیں پیا ـــــ لیکن نہیں، وہ تو مجھے رسوا کرنے پر ہر بات میں بس مذہب کو لے دوڑے گی ـــــ اب آج کم بخت ذرا تو بیچر بیچر کرے ـــــ آج یا وہ نہیں یا میں نہیں ـــــ اور اسی تہیہ کے ساتھ وہ اُٹھ کر حیا کے کمرے میں پہنچیں۔

" حیا بیٹی ـــــ " انہوں نے بڑے دُلار سے اسے مخاطب کیا ـــــ لیکن حیا کو دیکھتے ہی وہ ہک چک رہ گئیں ـــــ آج حیا بارہ ابرن اور سولہ سنگھار کیے دُولہن بنی، جنت کی شنیدہ حوروں کو شرما رہی تھی۔ ساری زندگی سے مردوں کی رگ رگ کا بھید جاننے والی کو سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ ایک مرد نے اپنا وار چلا دیا ہے ـــــ نتھ اُترنے تک ہر شام کو طوائف زادی کو سنگھار پٹار کے لئے اکسانا اور جتانا پڑتا ہے۔ جب طوائف زادی خود سے آئینے کے سامنے جا بیٹھے تو سمجھو کہ نتھ خطرے میں ہے ـــــ ایک شریف زادی کی طرح، نتھ کی بھی اپنی ایک عزت ہوتی ہے اور اسے عزت کے ساتھ اُتارا جانا چاہیئے۔ نتھ اُترنے کی

عزت یہ ہے کہ ایک موٹی رقم اور تمام جہام کے ساتھ اُترے ــــــ یہ نہیں کہ نات کے سناٹے میں دو ہاتھ بڑھیں، بدن پر سرسرائیں ــــــ سانسوں سے سانسیں ٹکرائیں، جسم کا کورا پن مٹیں اور نتھ جہاں کی تہاں!

زمانی بیگم جہاں نہیدہ تھیں ــــــ ایک لفظ بھی نہ بولیں ــــــ بلکہ اپنے انداز سے یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ وہ بیٹی کے اس انداز سے بہت خوش ہوئی ہیں، اپنے پیچھے دروازہ بھیڑتی ہوئی دوسری لڑکیوں کے کمرے میں چلی گئیں۔

نواب شوکت آئے ــــــ مدتوں بیٹھے رہے ــــــ چھتو، دلارن، صابرہ اور جنے کون کون سڑی ماری لڑکیاں، پھوہڑپن سے بجی بدسلیقگی سے سنوری آ آکر بیٹھتی، بیٹھ بیٹھ کر اُٹھتی گئیں ــــــ لیکن وہ نہ آئی جس کا انہیں انتظار تھا۔

ادھر حیا ستار کے تار کی طرح تنی بیٹھی ہوئی تھی۔ لوگوں کے آؤک جاؤک سے اسے اندازہ تو ہو ہی گیا تھا کہ نواب صاحب بھی کے آئے بیٹھے ہیں لیکن کوئی اسے نیوتہ یا سندیسہ دینے نہیں آیا ــــــ کیوں نہیں آیا؟ یہ وہ جان نہ پائی اور لاکھ وہ ہزار جانوں سے نواب صاحب پر فدا ہوچکی تھی وہ یہ کبھی گوارا نہ کرپاتی کہ خود سے بنا بلائے چلی جاتے ــــــ اماں کی تعلیم کو اس نے سدا اِس کان سے سن کر اُس کان سے اُڑایا تھا لیکن محبت کے اس وقار کو تو وہ خود بھی جانتی اور مانتی تھی کہ محبت میں پہل اور پیش قدمی عورت کی طرف سے نہیں ہونی چاہیئے ــــــ اُسے یقین تھا کہ اُدھر نواب صاحب بھی اس کے لئے بے چین ہو رہے ہوں گے؛ ــــــ اس کا فن ابھی تک فرش اور مسند تک ہی محدود تھا۔ بستر تک نہیں پہنچا تھا۔ فرش جہاں

وہ رقص دکھاتی —— مسند جہاں بیٹھ کر وہ موسیقی کا سحر گھولتی —— اٹھارہ سال کی وہ ہو چکی تھی۔ لیکن بستر اکھڑا اکھڑا —— وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ کئی ہاتھ اس کی طرف بڑھتے ہیں کہ فرش اور مسند سے اُٹھا کر اسے بستر تک پہنچا دیں —— لیکن وہ آج تک اپنے آپ کو بچانے میں کامیاب رہی تھی —— زمانی بیگم ادھر اپنے حسابوں یہ سمجھتی تھیں کہ میں بٹیا کو سنبھال سنبھال کر رکھ رہی ہوں اس لئے کہ موٹی کا منہ دیکھ کر نتھ کا پورا مول لوں گی۔ حالانکہ حیا کو ہنسی بھی آتی تھی۔ لاکھ اپنے وعظوں اور تجربہ کارانہ اسباق و سباق کے باوجود اماں شاید یہ بھول جاتی ہیں کہ طوائف کی دُنیا میں وہ عورت ہوتی ہے جو اندھیرے اُجالے اکیلے دُکیلے کہیں بھی بے دھڑک آجا سکتی ہے کہ اسے عزت لُٹنے کا ڈر نہیں رہتا —— کوئی شریف لڑکی یا عورت اندھیرا پڑتے ہی سرِراہ جاتے سے ڈرتی جھجکتی ہے کہ کہیں کوئی عزت نہ لُوٹ لے —— عزت لُٹنے سے وہی تو ڈرتا ہے، جس کے پاس عزت ہو —— طوائف کیا اور اُس کی عزت ہی کیا —— اب اماں جو مجھے زمین میں گڑے دفینے کی طرح سمجھ کر سانپ بن کر پہرا دیتی رہتی ہیں، اگر میں کہیں اپنی عصمت کا موتی کھو آؤں تو کیا ہوگا؟ یہی نا کہ اماں کو نتھ اُترائی کی موٹی رقم نہیں ملے گی۔ چوک میں کوئی زلزلہ نہیں آجائے گا —— لوگ اپنا کام کاروبار نہیں چھوڑ بیٹھیں گے —— دُنیا تہہ و بالا نہیں ہو جائے گی۔ میں بھی یہی رہوں گی —— کیا میں بدل جاؤں گی؟ اس زندگی میں آخر رکھا ہی کیا ہے —— کب تک یہ عزت سنبھلی رہے گی؟ اور کون بے حس ہوگا جو مجھے خرید لے جائے گا —— ایک دم بے پناہ اس کا جی چاہنے لگا —— مجھے کوئی نہ خریدے —— مجھے کوئی ایک پائی تک نہ دے —— بس مجھے نواب شوکت بیاہ لے جائیں —— چاہے وہ بڑھاوے میں ایک ماشے کا زیور نہ لائیں —— چاہے آڑے ڈنڈے کی کھڑی ڈولی میں ٹھال لے جائیں۔ موٹے جھوٹے سُرخ ململ کا مہنر گھونگھٹ اور مدرے کا جوڑا چوکی کے تھال میں سجا کر لائیں، لیکن اپنی دُولہن بنا لیں ——

خیالات کی ایک رَو تھی کہ اُسے بہائے لئے جاتی تھی —— اسی سوچ میں پتہ نہیں

کسی انجانے جذبے کے تحت اس نے اپنے ماتھے تک اپنا کامدار دوپٹہ کھینچ لیا ـــــ کوئی دیکھتا تو سمجھتا پلنگ پر کوئی دلہن بیٹھی ہے ـــــ اسی لمحے کسی نے اس کا سچ مچ ہی گھونگھٹ اٹھا دیا ـــــ اس نے چونک کر دیکھا اور دوسرے ہی لمحے بوکھلا کر سروقد کھڑی ہو گئی۔

"آپ یہاں ـــــ ؟" اس کے حیرت زدہ انداز پر نواب شوکت ہنس پڑے۔

"یہ بھی ہم ہی تو ہیں ـــــ اس میں اتنی حیرت کی کیا بات ہے ؟" اس نے ذرا ڈر کر ادھر ادھر دیکھا ـــــ بولی کچھ نہیں ـــــ نواب شوکت ہنسنے لگے۔ ہنستے ہنستے بولے :

"آپ کی اماں جان سے پوچھ کر ہی ہم یہاں آئے ہیں۔"

حیا سخت حیرت زدہ ہو رہی تھی ـــــ وہاں دیوان خانے میں تو نہیں بلوایا اور یہاں خود سے بھجوا دیا۔

اک دم اس کا خون کھول اٹھا ـــــ وہ ماں کی چال سمجھ گئی ـــــ اس کمرے میں، اس کے خاص کمرے میں جو اس نے بے حد نفاست سے سجا رکھا تھا جو اس کی نفاست پسند طبیعت اور پاکیزہ فطرت کا مظہر تھا جو سدا خوشبوؤں سے مہکا رہتا تھا ـــــ جس کے بستر پر بے حد سفید جھاگوں ایسی چادر اور جھالروں لگے سفید اور ملائم پروں والے تکیے سجے رہتے تھے۔ پائنتی ریشمی سفید لائی تہہ کی ہوئی دھری رہتی تھی اور سدا ہر موسم کے پھولوں کے گجرے سرہانے مہکتے رہتے تھے اور پھر وہ تو خود ایک کلی کی طرح نازک اور کلی ہی کی طرح اپنی خوشبو آپ چھپائے اسی بستر پر سجی رہتی تھی۔ یہ سب کچھ یہ سارا ماحول ایک مرد ایک ترسے ہوئے مرد کے لئے کیا بھرپور بلاوا تھا

اس کے وجود میں چنگاریاں بھر گئیں : "آج مجھے نہ بلا کر اکیلے میں اماں نے کہیں تنہا تیرہ ادائی کی بات تو نہیں کی ـــــ" اس نے اپنے شک و شبے کی گرد جھٹکنے کی کوشش نہ کی تو نواب صاحب خود ہی بولے :

"تمہارے چہرے پر سوچ بچار کیوں ہے یہ ؟" وہ وہیں، اس کے اپنے کنوارے

بستر پہ ـــــ اس کے کنوارے جسم کے بے حد قریب بیٹھ چکے تھے ـــــ وہ ذرا پرے کھسک کر بولی:

"جی ـــــ نہیں تو۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے ـــــ آپ کی تشریف آوری تو میرے لئے خوشی کا باعث بنے گی نہ کہ فکر و تردد کا ـــــ" وہ جب تک یہ بات کہتی رہی وہ صرف اس کے رس بھرے ہونٹوں کو دیکھتے رہے ـــــ پھر جیسے ہار کر بولے:

"آپ کے یہ ہونٹاں ـــــ پھر ایسے باتاں ـــــ خدا نے ہر چیز ـــــ ہر اچھی چیز کیا آپ کو ہی دے دی کیا؟" وہ بُری جھینپ گئی ـــــ سچے موتیوں کی طرح سچی شرم کی بھی ایک اپنی آب ہوتی ہے، جو چہرے کو جگمگا دیتی ہے ـــــ اس ایک لمحے میں حیا اس قدر خوب صورت ہو گئی کہ وہ پاگل ہو گئے۔

"حیا ـــــ" وہ جذبات سے بہکتی ہوئی آواز میں بولے: "ہم امّی حضور کو بول دئے کی ابھی ایک سال تک شادی کا مت بولو آپ۔"

حیا اک دم بولی: "صرف ایک سال؟ اس کے بعد کیا ہو گا؟ کیا ایک سال میں آپ مجھ سے اُکتا جائیں گے؟"

"اوّوہ ـــــ" نواب صاحب سر پر ہاتھ مار کر بولے: "ہم کیا کہنا چاہے اور آپ کیا سمجھے ـــــ ہم آپ کو کیوں سال بھر میں چھوڑ دیں گے بھلا ـــــ وہ تو فقط امّی حضور کو ٹالنے کے واسطے بولے ـــــ" وہ اس کے کان کے قریب اپنا موتہہ لا کر بولے:

"ہم تو باقاعدہ آپ سے شادی کریں گے ـــــ"

اچانک کمرے میں زمانی بیگم داخل ہوئیں اور تیزی سے بولیں:

"نواب صاحب شادی وہ کرے جسے اپنی زندگی خوار کرنی ہو۔ کہیں شریف زادوں نے ڈیرے والیوں اور چوک والیوں سے زندگی نباہی ہے؟ چاردن ہنس بول

لئے پھر تو کدھر ہیں کدھر ـــــ میں جانتی ہوں کہ ایسی شادیاں بھی ہوئی ہیں ـــــ باقاعدہ ہوئی ہیں لیکن مرد کو خدا نے بہت بڑی چھوٹ دے رکھی ہے ـــــ ہے تو چھوٹا سا نقطہ ـــــ طلاق ـــــ لیکن اس سے بڑے بڑے معرکے سر کئے جاتے ہیں ـــــ" نواب شوکت حیرت سے ان کی باتیں سن رہے تھے۔ حیا اپنی جگہ الگ خجل ہوئی جارہی تھی۔

"مجھے کوئی تو قانون ایسا بتایئے جس سے آپ میری بیٹی کا ہاتھ تھامیں تو اپنی زندگی کے آخری لمحے تک اُسے نہ چھوڑیں ـــــ دعوتی رقعوں پر آپ بڑے کرّو فر سے چھپوائیں گے ـــــ "شادی خانہ آبادی" لیکن وہ جیسی خانہ بربادی ہوگی میں ابھی سے جانتی ہوں ـــــ آپ کو میری بیٹی پسند آگئی ہے تو سیدھی سی بات کر لیجئے نا ـــــ یکمشت رقم نتھ اتروائی کی ـــــ یا ماہانہ یا سالانہ ـــــ ویسے ...."

"اماں ـــــ" حیا کانوں پر ہاتھ رکھ کر اتنی زور سے چلّائی کہ نواب شوکت بری طرح چونک پڑے ـــــ پھر دونوں ہاتھوں سے مونہہ چھپا کر وہ سسک سسک کر رو اٹھی ـــــ

"اماں بزرگوں سے تو یہی سُنا کہ عورت اور کھانا ہمیشہ ڈھانک کر رکھو۔ لیکن اماں آپ نے تو مجھے بالکل ہی کھول کر رکھ دیا ـــــ تھال میں سجا کر پیش کر دیا۔ کیا میں ایسی گئی گزری ہوں ـــــ کیا واقعی میری کوئی عزّت نہیں ؟" اس کا دلہن کی طرح سجا ہوا روپ رونے اور دل کی جلن کے تپنے سے اور بھی نکھر آیا تھا۔ نواب شوکت کو اسے نظر بھر کر دیکھنا دو بھر ہو گیا ـــــ وہ ایک دم کھڑے ہو گئے ـــــ انہوں نے اپنا ہاتھ حیا کے شانے پر رکھا اور بڑے عزم سے بولے :

"ہم آپ کو بیاہ کر لے جائیں گے اور وعدہ کرتے ہیں کہ سدا آپ کو ڈھانک کر رکھیں گے ـــــ"

دھا گے ناتی۔ تا کے دھن نا ــــ چھمن خاں ٹھیکہ لگا رہے تھے ــــ دُلارن اور ستبو تھرک رہی تھیں ــــ زمانی بیگم نے دیکھا، پھر تُنج بج ہو کر بولیں: "یہ رقص ہو رہا ہے نگوڑیو ــــ"

سانسوں سانس ہوتی ہوئی لڑکیاں رُک گئیں اور حیرت سے بولیں:

"جی ــــ؟"

"یہ پیر کیسے پڑ رہے ہیں۔ تمہارے باوا نے کبھی ایسا ناچ نا چا تھا؟"

صابرہ جیسے ہار کر بولی: "اماّں ہمارے رقص کی تو سارے رجباڑے میں دُھوم ہے ــــ"

"اے ایسی دِل میں گھر کرتی گَت پر ایسا پھونسڑا رقص؟ دھا گے ناتی۔ تا کے دھن نا۔ دھا گے ناتی۔ تا کے دھن نا۔ آہا ــــ ہا" وہ جھُوم کر بولیں "کیا بات ہے تال کہروا کی ــــ دھا گے ناتی۔ تا کے دھن نا ــــ تم موٹی بھینسوں کو تو ایسی لہر بہر گت پر بھی ناچ نہیں سُوجھتا ــــ مَیں تو موئی نبض کی دَھک دَھک پر بھی دُنیا کو نچا کر رکھ دُوں ــــ"

دُلارن پاؤں پسار کر وہیں بیٹھ گئی ــــ "اے سچ اماّں ــــ تبایئے نا آپ نے اَب تک کتنوں کو نچایا ہے ــــ لگتی تو آپ اب بھی کانٹا ہیں ــــ"

"اب بھی ــــ؟ دیکھو بھئی اس "اب بھی" میں تو ذِلت کا پہلو نکلتا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ اب وہ بات نہیں رہی لیکن ایسے بھی گئے گزرے نہیں ہو گئے ہم ــــ ایسا ہی ہے تو تم میں سے کوئی لڑکی سُر نکالے ــــ پھر مَیں بھی نکالوں ــــ بیبیو۔ سا، رے، گا، ما، پا، دھا، نی تو کوئی سڑک چلتا بھی رُک کر بتا دے کہ ہاں سات سُر شُدھ ہیں۔ کھرج۔ رکھب۔ گندھار۔ مدھم۔ پنچم۔ دھیوت۔ نکھار انہی کے چھوٹے۔ بچکانہ پیار کے مختصر نام کہہ لو یہ سارے گا ما پا دھانی ہیں۔ لیکن کوئی یہ کر کے بتائے اور ایسا سچا سُر

نکالے کہ بہتا پانی رُک جائے ــــ بجھتا ہوا چراغ دم پکڑ لے ــــ ارے یہ نہیں تو کم از کم ہوا ساکت ہو جاتے ــــ اب تم سے کیا بتائیں چاند نکلنے پر مسند سنبھالتے تھے اور سورج کا مونہہ دکھ جاتا تھا پر نہ سننے والوں کے دل بھرتے تھے نہ گانے والی گانے اور سُر کا حق ہی ادا کر سکتی تھی ــــ ہائے کیا دن تھے ــــ ایک تم تھی مُردار نیں موا اور ایک وہ ہماری بادشاہ زادی ہیں ــــ کہتی ہیں محفلوں میں گاتے ہوتے شرم آتی ہے۔ وہ تو اب تخلیے میں بیوی بن کر لجائیں گی۔ شرما شرما کر بیڑے بنا بنا کر میاں کو دیں گی اور ان ہی کی فرمائش پر میاں کی ملہار گائیں گی ــــ ہونہہ ــــ"

"آپ کو یہ سب بُرا لگے گا اماں ؟" جانے کب سے حیا پیچھے آ کھڑی ہوتی تھی۔ اور سارون کی باتیں سن رہی تھی ــــ اس کی دھیمی آواز پر زمانی بیگم نے پلٹ کر دیکھا بولیں تو یہ بولیں :

" تمہیں تو اچھا لگتا ہے نا ــــ بس ٹھیک ہے اور سنو تم نہار ہی تھیں، تمہاری سسرال سے سندیسہ آیا تھا۔ تمہارے میاں آ رہے ہیں ــــ" انہوں نے لہجے کا زہر سارا کا سارا "تمہارے میاں" میں گھول کر کہا۔

اِدھر کی رات اُدھر ڈھل گئی۔ چاند پھیکا پڑ گیا ــــ تارے سفیدی مائل ہو کر نور کھونے لگے، لیکن نواب شوکت کی آنکھیں اُس چاند کا طواف کرتے نہ تھکیں جو جگمگاہٹ میں آسمان کے چاند کو بھی نیچا دکھانے پر تلا ہوا تھا۔

"ہم کتنے بار تمہارے گھر آ چکے ہیں حیا۔ تم ہمارے محل میں کبھی تو آؤ ـــ"

"آپ کے محل کا زینہ چڑھ تو جاؤں گی، مگر دوبارہ پستی کو گلے نہ لگا پاؤں گی ـــ"

نواب صاحب اُسے مُسکرا کر دیکھنے لگے تو وہ کہے گئی :

" اتنی بلندی عطا کئے بعد پستی کی راہ نہ دِکھائیے گا، جو دا ایک بار کھول رہے ہیں

اُسے میرے داخل ہوتے ہی بند کر دیجئے گا تاکہ نکلنے کی کوئی راہ میرے لئے باقی نہ رہے۔"

"کیا ہماری بات پر تم کو یقین نہیں ہے حیا؟"

"آپ کی بات پر یقین کیسے نہ کروں گی —— لیکن نواب شوکت میری زندگی تو ایک شیشہ ہے جو چٹخ گیا تو میرے اپنے ہی دو چہرے ہو جائیں گے —— آپ کون سے چہرے کا اعتبار کریں گے؟" ایک دم نواب صاحب اُٹھ کر کھڑے ہوتے۔ بولے:

"واقعی ہم یہ بار بار کے آنے جانے میں ہی رہ گئے ہیں —— بس اتنا بھی نہیں خیال کرے کی آخر آپ کے اماں جان کو شادی کی تیاری کے واسطے کچھ رقم دینا چاہیئے ——"

وہ اُٹھ کر دوسرے کمرے کو چل دیتے —— حیا نے سخت ذلت محسوس کی۔ "یہ کن گھرانوں میں ہوتا ہے کہ لڑکی کے دان دہیز کے لئے خود لڑکے والے ہی رقمیں دیتے پھریں۔" وہ اپنے آپ ہی سوچتی، اُلجھتی، کسمساتی رہی۔

دوسرے دن زمانی بیگم نے بڑی خوشی سے سرگوشی میں بتایا کہ نواب صاحب اتنے اُتنے بھی نہیں پورے پچاس ہزار روپے اس کی شادی کے سلسلے میں بھجواتے ہیں —— اُن کی سانسیں مارے جوش اور خوشی کے اُتھل پتھل ہوتی جارہی تھیں —— زندگی میں اتنی بڑی رقم اُنھوں نے خواب میں بھی نہیں دیکھی تھی —— دیکھنے کا کیا سوال تھا سوچی تک بھی نہ تھی —— وہ تو تیرے میرے سے صرف تھتھا اُتروائی کے ہی زیادہ سے زیادہ بیس ہزار طے کرنے پر تلی ہوئی تھیں ——

ایک عجیب چمک دار خیال اُن کے ذہن میں طلوع ہوا۔ کیا ہی اچھا ہو کہ نواب صاحب بٹیا کو بھلے بیاہ کر ہی سہی لے تو جائیں لیکن چند روز بعد دل سے اُتر جاتے تو یہیں پھینک جائیں —— یہ پچاس ہزار تو مل ہی گئے —— پھر تو جب تک بٹیا کی جوانی باقی ہے۔ راتیں آباد ہیں، اور تجوری سہاگن کی طرح لدی پھندی ہے —— اے اللہ ایسا ہی ہو —— نواب صاحب کے دل پر سے بٹیا اُتر جاتے —— شادی کر کے لے بھی جائیں گے تو بڑا بری

کا درجہ تو دیں گے نہیں —— لے لاکھ گدھے کو گھوڑوں کے اصطبل میں باندھ دو، رہے گا تو وہ گدھا ہی —— اس نامراد کو محل کی خاندانی بیبیوں میں لے جا کر بٹھا بھی دیں گے تو رہے گی تو وہ بازاری اور طوائف زادی ہی —— وہ عزت کہاں ملے گی —— اور میں اپنا اتنا کنبہ لے کر کہاں بھلا محلوں میں بٹھائی جاؤں گی —— ہم جیسیوں سے زیادہ سے زیادہ باہر ہی بیٹھکے آباد ہوتے ہیں —— گھر والی بننا کہاں ہم کو ٹھے ڈیرے والیوں کے نصیب میں۔

ماں کی دعا میں خدا نے واقعی اثر رکھا ہے کہ قبولیت کا درجہ جلد ہی پا لیتی ہیں۔

اگلے دن جمعرات کو زمانی بیگم حسبِ دستور اپنی لڑکیوں کی پلٹن کے ساتھ درگاہ تشریف جا رہی تھیں —— حیا نہا کر اٹھی تو جی کمنا سا ہو رہا تھا —— زمانی بیگم نے دیکھا کہ مونہہ سرخ ہو رہا ہے۔ لٹوں لٹوں موتی موتی پانی ٹوٹ رہا ہے —— سوچا ایسے بھیگے بالوں سے بخار میں کہاں لئے لئے پھروں، ایسا ہی ہے تو اگلی جمعرات کو چلی جائے گی۔ اسے منع کر دیا۔ باہر جاتے ہوئے وہ کوئی زیور سنگھار پٹار نہیں کرتی تھیں —— گلے سے نستی ہاتھوں سے پہنچیاں اتار کر بیٹی کے گلے، ہاتھوں میں ڈالیں، وہ ناں ناں کرتی ہی رہی۔ کہا "اب کہاں بیٹیا صندوقچی کھول کر قفل چابی کرتی بیٹھوں"۔ لگے لگے پیروں سے پاؤں زیب بھی اتار کر اس کے موم جیسے پیروں میں ڈال دئے —— اب بڑھاپا آیا تھا تب سے بجاتے بھاری پیتل کے گھنگروؤں کی جوڑیوں کے، یہی چاندی کے ہلکے وزن کے لیکن بجنے والے ریشمی گھنگرو والے پازیب، لڑکیوں کو رقص سکھاتے وقت پہن لیا کرتی تھیں —— حیا اتنا نہ اٹھا۔ گھر میں زیور پہنتی ہی نہ تھی —— یوں گوندنی کی طرح لد گئی تو بے تحاشہ آئینہ یاد آیا۔ چھتو نے زبردستی آنکھوں میں کاجل بھر دیا تھا، اور لالی کی انگلی ہونٹوں پر پھیر دی تھی —— موتی برساتے لانبے گھنے بال کھلے پڑے پیٹھ پر، آگے پیچھے ہر طرف جھول رہے تھے —— آب رواں کا دوپٹہ تی تیا گردن میں سرسرا رہا تھا —— کمر پر کسا ہوا کرتا تھا گلابی رنگ کا۔ اسی رنگ کا تنگ پاجامہ —— پنڈلیوں کی ایماندارانہ پیمائش تپاتا ہوا گیلے جسم پر تنگ پاجامہ کس قیامت سے

چڑھتا ہے —— غرارہ شلوار ہو تو کوئی بات نہیں —— ڈھیلے ڈھالے سرسراتے پائنچے یوں آنکھ جھپکتے میں چڑھ جاتے ہیں۔ چست پاجامہ اتنی ورزش کرواتا ہے کہ گالوں پر خون موجیں مارنے لگتا ہے —— دہکتے ہوئے لال سرخ گال جن کے اوپر کاجل بھری آنکھیں ہوتی ہیں —— بیچ میں تیکھی سی ناک ہوتی ہے جس میں ننھی سی نتھنی جھلملاتی رہتی ہے، اور اس کے عین نیچے دو سرخ سرخ ہونٹ ہوتے ہیں جو اپنی جگہ خود ہی قیامت ہوتے ہیں —— لیکن محض لالی کی ایک انگلی پھیر کر دو آتشہ بنا دیے جاتے ہیں —— اور پھر مائیں ہوتی ہیں جو قفل، چابی اور تجوری کے عذاب سے بچنے کی خاطر یوں زیوروں سے لاد کر قیامت کو بہت پہلے —— یعنی قیامت سے بہت۔ بہت۔ بہت پہلے ہی قیامت برپا کر جاتی ہیں۔ اور ان سب سے بڑھ کر وہ لمحہ —— وہ لمحۂ تنہائی، جو آدم اور حوا کو کبھی جنت میں میسر نہ آتا تو نسل نہ بڑھتی، دُنیا نہ چلتی اور یوں ایک اور کہانی وجود میں نہ آتی۔

جس کمرے میں حوا تنہا کھڑی ہوئی تھی —— آدم بھی اُسی لمحے آ پہنچا —— نواب شوکت یہ تو جانتے اور مانتے تھے کہ حیا بے حد حسین لڑکی ہے —— بہت ہی خوبصورت بلا ہے۔ لیکن آج ان کا جی چاہا کہ کاش یہ بلا اُن سے چمٹ جاتی، اور بلا اگر اتنی مہربان نہیں تو وہ خود بلا کے گلے کا ہار بن جائیں۔

وہ ناں ناں کرتی رہی —— منت کرتی رہی، سسکیاں بھرتی رہی اور وہ آنسوؤں اور لذتوں کے سمندر میں ڈوبتے، اُبھرتے پار اُتر گئے۔

پہلی رات کی بیاہی ہو۔ جذبات کی ماری کنواری ہو، گناہوں کے دلدل میں پھنسی ہوا لف ہو یا کوئی سی عورت ہو۔ پلنگ کی پٹی سے لگ شرماتی بیاہی، خدا سے ڈرتی کنواری پسینے گنتی، ہوا لف یا بستر الیول سے چپٹتی جھنجھلاتی ہو۔ عورت کو کوئی نہ کوئی وسوسہ بستر ہونے پر بھی پایا رکھتا ہے اور وہ یونہی پلنگ کے آس پاس یا کمرے میں ڈولتی پھرتی ہے۔ لیکن

اطمینان سے پار اتر نے والا مرد سیدھا نیند کی آغوش میں چلا جاتا ہے اور اس وقت بھی یہی ہوا جو دُنیا بھر کے مردوں اور عورتوں کے ساتھ ہوتا ہے —— نواب صاحب خُر خُر کرتے ایک مطمئن بلّے کی طرح سو رہے تھے اور حینا گھٹنوں میں مُونہہ چھپائے اپنے آپ سے چھُپ رہی تھی۔

"یہ کیا ہوگیا میرے خدا ؟"

"یہ تو میں نے سوچا بھی نہ تھا"

"میری ساری ریاضت، عبادت ایک ہی ریلے میں بہہ گئی -

"عورت کو تو نے اتنا کمزور کیوں بنایا ؟ میں نے کتنا اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کی —— لیکن ؟ اُس نے پاس سوتے ہوتے نواب شوکت کو نظر بھر کر دیکھا —— لمبا، چوڑا، تنومند جسم، سُرخ و سفید رنگ۔ بڑی بڑی سیاہ مونچھیں۔ سر پر چھدرے والے بال، نہ سیدھی مانگ نہ ٹیڑھی مانگ، لہر لہر بال اُلٹے جماتے ہوتے، پھر اُن کے مضبوط ہاتھ اور سُرخ و سفید لانبی لانبی اُنگلیاں، انگوٹھیوں سے سجی ہوئی۔ وہ جیسے جیسے اپنے آپ کو چھڑاتی جاتے، وہ انگوٹھیوں سے سجی مضبوط اُنگلیاں اسے بے بس کیے جاتیں۔ ایسے کنارے میں کٹے جانے کے بعد وہ کیسے اپنے بیچ چھڑا پاتی ؟ دُکھ اور ذلت کی ایک لہر اُسے یہاں سے وہاں تک بھگو گئی —— آخر طوائف کی طوائف ہی رہی نا —— سہرے، توڑوں، باجے گاجوں، مہندی مائیوں، چڑھاوے، مونہہ دکھائیوں اور نکاح کے بولوں کے ساتھ دُلہن بننا کہاں نصیب ہوا آخر —— ؟ وہی ہوا جو تجھ ایسیوں کے ساتھ ہوتا آیا ہے —— وہ پھُوٹ پھُوٹ کر رونے لگی۔

یہ شخص تو مجھے ڈھانک کر رکھنے کا وعدہ کر گیا تھا نا ؟ آج اسی نے میرا انگ انگ کھول دیا ! اسے وہ سب کچھ مل چکا ہے جو کوئی بھی بیاہتا دُلہن اپنے دولہے کو پہلی رات دیتی ہے —— اب اگر یہ مجھے ٹھوکر مار کر بھی چلا جائے تو میں اس کا کیا بگاڑ لوں گی ؟

اس نے سسکی لے کر سرہانے لگے آئینے میں اپنا اتارا اتارا چہرہ دیکھا ـــــ نتھنی بدستور ناک میں جھلملا رہی تھی۔

زمانی بیگم کے درگاہ شریف سے آتے آتے یہاں مطلع صاف ہو چکا تھا نواب شوکت مو ہبر یار جانی کے چھپاکے مار، پہلے سے کہیں زیادہ تازہ اور جوان بن کر جاتے جاتے ایک بار اور اسے پھر پور کسادے میں کس کر اور ہونٹوں کی آخری سرخ بوند تک نچوڑ کر ہوا ہو چکے تھے ـــــ حیا گھبرائی گھبرائی سی۔ جلدی جلدی چادر کو حمام میں پھینک، بے ترتیب بستر کو پھر سے ترتیب دے، پھر سے حمام میں گھس گئی ـــــ نہا کر نکلی تھی کہ عین اسی وقت ماں کی شکل آکر دروازے سے لگی ـــــ گئی تھیں تو لیٹیں موتی رول رہی تھیں ـــــ آئی ہیں تب بھی زلفیں یونہی موتی پرو رہی ہیں! وہ چونک گئیں ـــــ یہ دو دو بار بلا ضرورت کے غسل کیسے؟ کمرے میں آکر بستر کو دیکھا ـــــ پھر بٹی کو دیکھا جو بار مونیم سے شغف نہ ہونے پر بھی شرماتی بیٹھی ہے۔

"بٹیا تبرک تو لے لو ـــــ" انہوں نے نقل دانوں اور عودی کی پڑیا ہاتھ بڑھا کر اسے دکھائی، لیکن خود آگے نہ بڑھیں کہ وہ خود ہی چل کر آئے اور ڈگمگ چال سارے سربستہ راز کھول کر رکھ دیے۔

حیا کانپتی، جھجکتی آگے بڑھی۔ ایک قدم۔ دو قدم۔ تین قدم۔

"بیٹی ـــــ" انہوں نے انتہائی اطمینان سے کہا: "ایک مرتبہ بند قبا کھل جائے تو پھر نیک زندگی کے دروازے آپ ہی آپ بند ہو جاتے ہیں وہ بھی ہمیشہ کے لئے ـــــ!"

انہوں نے جو کہا۔ حیا تو جھی بی ـــــ لیکن حیا کی چال نے ان سے جو کچھ کہا وہ ان کے ایک جملے سے ظاہر تھا۔

بڑی سخت حیرت کی بات یہ تھی ــــــ یا کم سے کم زمانی بیگم کو بے حد حیرت تھی کہ نواب شوکت نے باغبانی کر لینے کے بعد بھی کیاری سے موتہہ نہ موڑا ــــ آنا جانا لگا ہی رہا ــــــ وہ اسی ذوق و شوق سے آتے ــــــ اسی لگن سے حیا پر واری بلہاری جاتے۔ وہی تحفے تحائف کی برسات، وہی نگاہوں سے موتیوں کے چڑھاوے ــــ وہی ہونٹوں سے مسکراہٹوں کی سوغاتیں ــــــ سب کچھ وہی تھا ــــ ان کی وہی خاطرداریاں تھیں لیکن لگتا تھا، کہیں نہ کہیں، کچھ نہ کچھ کھو ضرور گیا ہے۔

اور یہ "کچھ" جو کھو گیا تھا، حیا نے پا لیا ــــ وہ بات یہ تھی کہ اب نواب شوکت نے پچاس ہزار دے چکنے کے باوجود شادی کی بات اُٹھائی ہی نہیں ــــــ اماں کو کیا غرض پڑی تھی کہ موتہہ سے پھوٹتیں ــــــ ان کے تو دِل کی مُراد پوری ہو گئی تھی۔ نواب شوکت تو جیسے اس داستان کو یاد تو کیا رکھتے، وہ تو موضوع تک بھول گئے تھے ــــ رہی حیا وہ کیسے اپنے مُونہہ سے یہ کہہ دیتی کہ "آخر آپ مجھے بیاہ کر کب لے جائیں گے؟ اور جو کہہ بھی دیتی اور وہ موتہہ پھوڑ کر کہہ دیتے کہ بی بی تم سے جو موتی لینا تھا وہ تو لے چکے اب خالی سیپ لے جا کر کیا کرنا ــــ تو وہ کیا کر لیتی ؟

اور اس دِن حیا نے جانا کہ انسان کتنا سخت جان ہے ــــ لوگ کتنی مُشکل سے مَرتے ہیں ــــــ وہ تو مَری بھی نہیں ــــــ نہ کانوں نے قوتِ سماعت کھوئی نہ آنکھوں نے قوّتِ بصارت کھوئی ــــ حَواس بھی اپنے حواسوں میں رہے، دِل کم بخت ایک لمحے کو ضرور اپنی جگہ چھوڑ بیٹھا تھا ــــــ نواب شوکت جب زمانی بیگم سے کہہ رہے تھے۔

"آپ کی آواز میں آج بھی وہ جادو ہے کی چلتی ندی رُک جاتا۔ آپ کیوں نہیں گاتے ؟"

زمانی بیگم ہنس کر انکساری سے بولیں :

" اے حضور ہمارا کیا ہے —— منہدم عمارت ہیں —— یہ اور بات ہے کہ بس تھوپا تھاپی اور لیپا پوتی سے کام چل جاتا ہے "

" نہیں نہیں ۔ ایسی بھی کیا بات ہے —— منگنی کی تقریب میں آپ کو بھی گانا پڑے گا —— ہو رحیا تو ناچیں گی ہی ۔ ہے کہ نہیں ——" وہ ہنس کر باری باری دونوں کو دیکھا کئے ۔

منہدم عمارتوں پر بجلی گرے یا طوفان ٹوٹے وہ متاثر نہیں ہوتیں —— ہرے بھرے آشیاں پر تو تیز ہوا کا جھونکا بھی قیامت ڈھا دیتا ہے —— زمانی بیگم نے تو یونہی نظر اٹھا کر بیٹیا کو دیکھا لیکن حیا کی تو یہاں سے وہاں تک ساری فصل سوکھے کی نذر ہو گئی —— وہ بیٹھی نہ ہوتی تو گر جاتی —— بے حد اطمینان سے زمانی بیگم نے پوچھا :

" منگنی کی تقریب میں ہی بلوائیے گا بس —— اور حضور کی شادی خانہ آبادی کے جشن مبارک میں ؟ " بڑی سادگی اور بھولپن سے وہ بولے :

" امی حضور کی خوشی ہے کہ پہلے منگنی دھوم دھام سے کرنا ۔ اس کے بعد شادی —— آپ لوگاں کو تو بھلانے کی چیز ہیں کیا "

جن نظروں سے حیا نے نواب شوکت کو دیکھا ہے ان نظروں نے کٹ سے کوئی چیز زمانی بیگم کے سینے میں توڑ کر رکھ دی —— آخر کو ماں تھیں ۔ گھبری گھبری سی اٹھیں اور اپنے کمرے میں جا کر بستر پر اوندھے مونہہ گر پڑیں —— آنسو نہ نکل جائیں ، اس لئے مسکرا مسکرا کر سوچنے لگیں کہ نواب صاحب کی منگنی پر کون سا سہرا زیادہ سہائے گا —— آخر منگنی پر بھی تو دولہا بناتے ہیں ۔ تو پھر "بنا" بنے تو سہرا گانے میں کیا حرج ہے ۔ شادی کے دن پھر دولہا بنایا جائے گا ۔ پھر سے سہرے گا لوں گی ۔

" مرد کتنی ہی بار دولہا بنے ، نیا کا نیا رہتا ہے اور عورت —— " اُنھوں نے آہ

پھر کر سوچا "ایک بار جو دُلہن بنتی ہے، پھلے تنہائی میں بن جاتے، جو نور اُیک بار اُترتا سہنے پھر مر کر بھی وہ نور نہیں اُترتا۔"

ادھر بالا خاری ہوتی ہچکی سے نواب شوکت بولے:

"تم شکر بجا کر و حیا ——— تمہارا عقد ہم کسی اچھے شریف آدمی سے کر دیں گے ——— کیوں کی تم کو دُلہن بن کر بیاہنے کا بہت ارمان ہے نا!"

"وہ شریف آدمی تو آپ بھی ہو سکتے تھے نواب صاحب ———" اس کا دل بولا مگر ہونٹ خاموش ہی رہے ———

"تم ہماری بات کو پسند نہیں کرے شاید ———"

بڑے ضبط کے ساتھ وہ بولی:

"اور عورتوں کے دِل کا تو مجھے پتہ نہیں ——— لیکن میں نے اپنے دِل کی گزرگاہ کو بس اتنا ہی کشادہ رکھا تھا کہ اس میں سے دو قدم گزر سکیں ——— آپ اِس میں داخل ہو گئے اور میں نے وہ گزرگاہ ہی بند کر دی ——— آپ تو بڑے خوش نصیب تھے نواب صاحب کہ ایسی محفل میں قدم رنجہ ہوتے جہاں آپ سے پہلے اور آپ کے بعد کوئی نہیں آیا لیکن میں" وہ سِسک کر رو پڑی ——— "میں کتنی بدنصیب تھی کہ آپ کے دِل کی دہلیز تک ہی پہنچ پائی ——— داخلہ میرے لئے ممنوع تھا ———" ماحول کا سناٹا جان لیوا ہو گیا تو محض بات رکھنے کی خاطر انہوں نے بات کی:

"اصل میں امی حضور اپنی بھتیجی سے ہماری شادی کی بات پکی کر چکے تھے نا، اس واسطے ... ..."

"نواب صاحب ———" وہ رہ رہ کر ٹوٹتی آواز میں بولی: "کچھ عورتیں کچھ مردوں سے تھوڑی سی محبت کرتی ہیں ——— بہت ساری عورتیں بہت سے مردوں سے بہت سی محبت کرتی ہیں ——— لیکن جیسی محبت میں نے آپ سے کی ——— سوچتی ہوں دُنیا کی پہلی

اور آخری عورت بس میں تھی جو ایسی محبت کر سکی —— شاید کاتب تقدیر نے لفظ محبت لکھ کر قلم کی نوک میرے ہی دِل میں توڑ دی تھی - اس کے بعد —— اس کے بعد پھر یہ لفظ کبھی لکھا گیا —— نہ شاید لکھا جائے ——"

وہ چلنے کو ہوئے تو آنکھوں میں ایک ساتھ آنسوؤں کے ستارے اور مسکراہٹوں کی دھوپ لئے وہ بول اٹھی :

آپ کی منگنی کی تقریب اور شادی خانہ آبادی کے جشن مبارک پر میں ضرور آؤں گی ۔
اور ناچوں گی بھی انشاءاللہ [illegible] آپ کو [illegible]؟
لیکن منگنی کی تقریب [illegible] اور نہ [illegible] دنیا ——
آنسوؤں کا سلسلہ [illegible] شروع ہو گیا ہے

ایک پیالے میں کچلے بیتے کا عرق —— دوسرے میں کوئی زعفرانی [illegible]، گول سیاہ مرچ کا کاڑھا لئے زمانی بیگم اس کے سرہانے کھڑی تھیں ۔ —— "لے نامراد —— ایک ایک کر کے دونوں پیالے چڑھا لے اور اس بے مروت اور ظالم کی بربادی اور نشانی پیٹ سے اور دِل سے نکال دے ——" دھواں دھواں چہرہ اُٹھا کر بیٹی نے ماں کو دیکھا۔
"آپ بھی اماں یہی سمجھتی ہیں —— آپ بھی اماں ——"، زمانی بیگم نے مونھ پھیر لیا۔ نو مہینے پیٹ میں رکھنا آسان —— کڑے درد سہہ کر پیدا کر لینا وہ بھی آسان۔ لیکن یہ نظر، ایسی نظر؟ یہ نہیں سہی جاتی میرے مولا —— ماں پن کی سب سے کڑی منزل یہی ہے اولاد کا دُکھ۔ وہ بڑے رسان سے، دُکھوں سے ٹوٹے لہجے میں بولی :
"اماں —— میں اپنا بچہ ضائع نہیں کروں گی ——"، وہ اوپری دِل سے غصہ ہوئیں۔
"کم بخت —— اب تیرا مذہب —— تیری تعلیم —— تیرے وعظ —— تیرے

دلائل کہاں گئے ــــ زنا کر کے بیٹھی ہے۔ پتہ ہے مذہب میں زنا کی سزا کیا ہے؟ اس کی کوئی معافی بھی نہیں ہے ــــ"

"جانتی ہوں اماں ــــ بہت نہیں جانتی مگر تھوڑا بہت تو ضرور جانتی ہوں زنا کی سزا سنگ ساری ہے ــــ ہے نا؟ اب ساری زندگی مقدر مجھ پر سنگ باری کرے گا ــــ سزا تو مجھے بہر حال مل گئی نا ــــ خدا بھی تو دو سزائیں ایک گنہگار پر جمع نہیں کرتا۔ پھر آپ یہ پیالے پلا کر مجھے کیوں اس جنت سے محروم کرنا چاہتی ہیں جو زندگی بھر کی سنگ ساری کے صلے میں میرے قدموں تلے تعمیر ہو گی ــــ نہیں اماں نہیں ــــ زندگی بھر آپ سے کچھ نہیں مانگا ــــ بڑی صابر بیٹی اللہ نے آپ کو عطا کی ہے ــــ آج وہ صابر بیٹی بھکارن از۔ تدیدی بن کر ماتا کی۔ کوکھ کی بھیک مانگتی ہے ــــ اماں میری جنت کی نشانی مت نیا ہیے۔ میری اماں ــــ میری اچھی، میری پیاری اماں"

مدت گزرنے پر حیا نے ایک گڑیا سی خوب صورت بیٹی کو جنم دیا اور جس دن وہ چلہ نہا کر اٹھی ہے، اسی دن نواب شوکت کی شادی پڑی۔

زمانی بیگم ہاں ہاں کرتی رہ گئیں ــــ اور حیا نے جو سدا سنگھار پٹار زر زیور سے دور بھاگتی تھی ــــ روایتی دلہنوں اور سہاگنوں سے بھی بڑھ کر اپنے آپ کو سجایا سنوارا۔

"اری نامراد کچی زچہ ہے ــــ چھوڑ کس کم بخت کے پھیر میں پڑی ہے۔ ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ جائیں گے ــــ زندگی بھر اپاہج بن کر رہ جائے گی۔ لیکن حیا آج کوئی بات سننے کی روادار نہیں تھی۔

وہی شان دار ہال تھا ــــ وہی سلیقہ، وہی قرینہ ــــ لیکن آج اس دن سے بھی سوا سجاوٹ تھی، اور مہمانوں کا جم غفیر ــــ سہرے توڑوں اور بدھیوں میں شرمائے

دستی سے موتہہ چھپائے ——— خوشبوؤں میں بسے دولہا میاں نواب شوکت زرکار مسند پر
براجمان تھے ——— برابر میں چھوٹے سالے سالیاں آرزو باز دوست احباب۔ زنانے
میں الگ ہلور مچی ہوئی تھی ——— چلمنوں کے پیچھے سے مہمان بیبیاں تیز مرا آباب ہو رہی
رہی تھیں ——— دُلہن کو وہیں ایک مسند پر لا کر بٹھا دیا گیا تھا ——— تیز نظریں ! باہر
سے اُلجھتیں۔ پھر وہ اپنا آپ سنبھال لیتی ——— آخر سینے میں رُکتے دھڑکتے دِل کو تھام کر
اس نے ماں کو اشارہ کیا اور گویا ہوئی :

" اماں ——— آج میں تال آڑا چوتالہ پہ ناچوں گی ——— " زمانی بیگم نے ہول کر
اُسے دیکھا ———

" تال آڑا چوتالہ ——— ؟ بیٹی پاگل ہوئی ہو ——— چودہ ماتروں کا ٹھیکہ ہے ،
سنبھال نہ پاؤ گی ——— "

وہ چلائی : " نہیں اماں ——— آج یہی رقص ہوگا "
" مشکل ہے بیٹی ——— "

" اماں آپ تو نبض کی دَھک دَھک میں بھی لَے اور تال پیدا کرتی آئی ہیں ———
آج دِل کی تال پر بیٹی کو آزمائیے ——— میں ناچوں گی اماں ——— آپ گت شروع کیجئے "

" چھمن خاں ——— " زمانی بیگم نے اشارہ کیا : شروع کیجئے تال آڑا چوتالہ ———
اور انہوں نے تالی بجانے کے لئے چوڑیاں پیچھے کھسکانی شروع کیں : " بہتر بی بی " چھمن خاں
سعادت مندی سے بولے اور شروع ہو گئے ۔

دھن ۔ تت کٹ دھن دھن ناناکت تاتت کٹ دھن دھن دھلگے نادھا
تٹ کٹ دھن ———

ساتھ ہی گھنگرو چھن چھنائے اور جیسے پانی پر بہتی ، گھمیریاں ڈالتی ——— بل کھاتی ،
لچکتی ، تیرتی ، ڈولتی ۔ سامعین کو سحر زدہ کرتی وہ دُنیا و مافیہا سے خود بھی بے خبر ہوتی گئی ۔

پہلے اس کا ایک بالا گرا ـــــ کچھ ہوش اور کچھ بے ہوشی کے عالم میں اسے وہ خوب صورت واردات یاد آئی جو رنگین بھی تھی اور سنگین بھی جب اس کا ایک بالا ان کے جگمگاتے بٹنوں کی زنجیر سے اُلجھ گیا تھا ـــــ پھر دو مضبوط ہاتھوں نے دوسرا بالا بھی اُتار لیا تھا ـــــ پھر وہ خوب صورت، زندگی بھر ساتھ دینے کا وعدہ کرنے والے ہاتھ، دھیرے دھیرے اس کے کنوارے جسم کے نشیب و فراز پر سرسرائے تھے ـــــ ہونٹوں نے دھیمی دھیمی محبت بھری سرگوشیاں کی تھیں ـــــ آج وہ ہاتھ ـــــ وہ خوب صورت ہاتھ اور مضبوط ہاتھ وہی سرگوشیاں دُہرائیں گے ـــــ ہاتھ وہی ہیں، ہاتھوں کی گرفت میں آنے والا چہرہ بدل گیا ہے۔

رقص کی لَے اور تیز ہو گئی ـــــ اور اس کے گلے کی مالا ایک جھٹکے سے ٹوٹ گئی

اسے پھر سے وہ جان لیوا گھڑی یاد آ گئی ـــــ اماں کی [illegible] دیکھتے ہی دیکھتے [illegible] تھیں ـــــ دھیرے دھیرے نفرت سے بھرے ہاتھ اس کے سراپے پہ رینگے اور مدھم سی سرگوشی: "آج جسم ہمارا ہے ـــــ اس پہ کوئی زیور نہیں رہے گا ـــــ زیور تمہارے بدن کو چھپاتے ہیں؟ ہمیں ان زیوروں سے حسد ہوتا ہے ـــــ" اور یا ایک ایک کر کے سارے زیور جلاوطن یا جلا بدن کر دیئے گئے تھے ـــــ آج ہاتھ وہی ہوں گے لیکن ایک اور بدن ہوگا جس کے روئیں روئیں سے بھی یہی الفاظ دہرائے جائیں گے۔

پھر وہ اتنا تیز ناچی ـــــ اتنا تیز ناچی کہ گھنگرو ایک ایک کر کے ٹوٹ گئے، اور تال کا آخری چکر جب ختم ہوا تو سارے ہال میں ایک ایسا سناٹا تھا جیسے وہاں کوئی ذی ہوش تھا ہی نہیں۔

وہ یوں ہی سر نہوڑائے بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی تھی ـــــ اس نے کب رقص ختم کیا تھا وہ خود سے گری تھی یا اُسے کسی نے تھام کر یوں بٹھا دیا تھا۔ وہ ہر بات سے بے خبر تھی ـــــ صرف ایک بات کا اسے علم تھا کہ یہ رات ـــــ آج کی رات ـــــ آج کی سہاگ رات۔ جو اس کی زندگی میں آنے والی تھی، کسی اور کے حساب میں لکھ دی گئی ہے ـــــ قسامِ ازل

یہ تیری کیسی بھول ہے؟

داد و تحسین کا یہ عجیب انداز تھا کہ نہ کسی نے تالیاں بجائی تھیں نہ کسی نے واہ وا کی تھی ـــــ بس ہر طرف سانسوں کا سناٹا تھا ـــــ اُس نے بڑی مشکل سے نگاہیں اٹھا کر دُولہا کی جانب دیکھا۔

"میری سہاگ رات ایسا قرض ہے جو تم کبھی ادا نہ کر سکو گے نواب!"

ایک دم کسی نے تعریف کے جذبے سے چور ہو کر کہا "ارے موہنہ کیا دیکھتے جی۔ حیا ڈومنی کو اشرفیوں سے چھپا دیو ـــــ کیا ناچی ہے کی واہ ـــــ پاتر ہو تو ایسی ـــــ ابھی تک تو دِل شیشہ ہی تھا ـــــ اس وار سے کرچی کرچی ہو کر سارے بدن میں بکھر گیا ریزہ ریزہ ہو گیا ـــــ اس نے ڈوبتی نگاہوں سے نواب دولہا کی طرف دیکھا۔

"اگر تم سہارا دے دیتے تو میں محل کی عزت بن جاتی۔ آج تم نے ہاتھ چھوڑ دیا تو میں بازار کی چیز بن گئی ـــــ ڈومنی! سچ تو ہے ـــــ میری یہی اوقات ہے یہی رہے گی ـــــ" وہ محل کے شور شرابے کو خواب کے سے عالم میں دیکھتی رہی۔ جیسے اس کی اپنی آنکھیں نہ ہوں۔ کسی اور کی ہوں۔

پھر محفل اُکھڑنے لگی کہ دولہا میاں زنانے میں بلائے جانے کو تھے ـــــ وہاں آمنے سامنے دُولہا دُولہن بٹھائے جائیں گے ـــــ رُونمائی ہو گی۔ دُلہن کو اشرفیاں روپے، زیور ملیں گے ـــــ دُولہا کو سلامیاں ـــــ رومالوں میں بندھی چھالیہ۔ لونگ، الائچی چاندی سونے کے ورقوں میں مڑھی ہوئی ـــــ بیچ میں جگر جگر کرتی اشرفیاں انگوٹھیاں ـــــ جب یہ سب ہو جائے گا تو بھابیاں، رشتے کی سالیاں باجیں، کنواری بیاہی لڑکیاں سب گھس پڑیں گی کہ آخری رسم انجام دی جائے ـــــ تب دُولہا میاں دُلہن کا گھونگھٹ اٹھا کر اس سے آنکھیں کھولنے کی التجا کریں گے۔

بی بی ـــــ آنکھیں کھولو ـــــ میں تمہارا غلام ـــــ"

تصور کی حدیں اُسے وہاں لے گئیں جہاں دُولہا کے ہاتھ میں دُلہن کا زرتار سُرخ گھونگھٹ تھا ــــ وہ چلاّئی۔

"نہیں ــــ نہیں ــــ نہیں ــــ یہ ظلم ہے ــــ یہ ظلم۔ یہ قتل ہے ــــ یہ خُون ہے ــــ یہ میرا قاتل ہے ــــ یہ میرا خُون ہے۔۔۔۔" پھر وہ دھیرے دھیرے سِسکنے لگی ــــ" مالک میرے ــــ تیری کتاب کو میں نے ترجمے کے ساتھ پڑھا ہے اے الرحم الراحمین تو نے ہی تو قصاص کا مسئلہ رکھا ہے ــــ تُو نے تو خود خُون کا بدلہ خُون رکھا ہے ــــ قتل کا بدلہ قتل ــــ قصاص ــــ پھر آج تیری دُنیا میں جو میرا ــــ مجھ بے گناہ کا قتل ہوا ہے اس کا قصاص میں کس سے لوں ــــ کیسے لوں۔۔۔ کیسے۔۔ کیسے۔۔"

شمس السیول کے جلو میں دولہا میاں زنانے میں چلے گئے اور وہ سنگِ مرمر کے خوبصورت فرش پر ایک خوب صورت مورتی کی طرح پڑی رہ گئی۔

"تیرے عدّت کے دِن پُورے نہیں ہوتے بٹیا ابھی تک" زمانی بیگم نے بٹی کا مُرجھایا ہوا چہرہ دیکھ کر اپنے دِل کی ہائے نواب شوکت پر ڈالی۔

حیا بی بی کا مونہہ دُھلاتے ہوئے دہل کر بولی: "اللہ نہ کرے اماں جو میں عدّت کے دن گزاروں۔ مَری تو میں ہوں ــــ خُدا ان کو سلامت رکھے۔

"ایسی دیوانگی دیکھی نہ سُنی ــــ نامُراد نے آنکھوں دیکھتے ایک دِل اُجاڑ کر گھر بسا لیا۔ اور تو اسی کے فراق میں مَری جا رہی ہے۔"

"مَر چکوں تو چین ملے۔ اب دُنیا میں دِل نہیں لگتا اماں۔"

"صبر کر بٹی ــــ لوگ مرے کو صبر کرتے ہیں تُو جیتے کو صبر کر لے۔"

"صبر تو کر لوں اماں ــــ لیکن کتنا؟ آخر کب تک ــــ کوئی مجھے حد بتا دے۔"

زمانی بیگم کا کلیجہ کٹ کٹ گیا۔

"امّاں اتنا بڑا دھوکا بھی کوئی کرتا ہے ۔۔۔ امّاں اللہ میاں نے سینے میں دل اور ضمیر جیسی بھی ایک شے بنائی ہے نا ۔۔۔ امّاں انہیں کبھی خیال آتا ہوگا کہ کیسے محبت بھرے دل کو انہوں نے توڑا ہے ۔۔۔ امّاں ہنستے بولتے کبھی یہ بھی سوچتے ہوں گے کہ کسی کے ہونٹوں تک ہنسی میں نے چرالی ہے۔ امّاں ۔۔۔ ایک بار دلہن بنا کر لے جاتے ۔۔۔ پھر چاہے بعد میں طلاق دے دیتے، میرا سہاگ چڑھنے کا ارمان تو نکل جاتا۔ امّاں ۔۔۔ امّاں ۔۔۔ امّاں ۔ ۔ ۔" زمانی بیگم اس کا پاگل پن دیکھ کر بیوقوفوں کی طرح اس کا منہ تکتیں۔ سوچتیں جتنی بھی بک بک کر لے اچھا ہے۔ اپنے آپ ہی سوچ سوچ کر گھٹتی رہی تو پاگل ہو جائے گی۔

ایک دن پھر سے حیا نے دلہنوں کا سا سنگھار کیا ۔۔۔ خوب اپنے آپ کو سجایا سنوارا ۔۔۔ خوب زیور پہنے ۔۔۔ ماں سے کہا ایک شکرام منگوا دیں ۔۔۔ وہ حیرت سے دیکھنے لگیں اور بولیں :

"امّاں ۔۔۔ پتہ نہیں کیوں اندر والا دل کہتا ہے کہ شادی انہوں نے اپنی امّی حضور کے تقاضوں سے تنگ آ کر کی ہے۔ وہ بھی میری ہی طرح اداس رہتے ہوں گے۔ آج بُری طرح ایک نظر دیکھنے کو جی چاہ رہا ہے۔ انہی کے ہاں جا رہی ہوں ذرا۔"

ماں نے دہل کر اُسے دیکھا : "اری پاگل اسی لاڈے میں پڑی تھی تو ٹھیک تھا کہ وہ بھی اُداس ہوں گے ۔۔۔ اب جا کر خوش و خرم پائے گی تو انگاروں پر لوٹتی پھرے گی۔ کیوں اپنی جان کی دشمن بنی ہے۔ نہ جا نامراد رُک جا ۔۔۔" ان کی صدائیں دل سے باہر نہ آ پائیں ۔۔۔ وہ دُکھے دل اور بھیگی آنکھوں سے بیٹی کو دیکھا کیں جو چوتھی کی دُلہن بنی سسرال جا رہی تھی۔

شکرام کے رُکتے ہی ایک بے پناہ قہقہے نے حیا کا استقبال کیا۔ بلاشبہ یہ نواب شوکت کی آواز تھی ۔۔۔ اُسے اس خیر مقدم کی توقع نہ تھی ۔۔۔ شکرام والے نے زنانی سواری کا جا کر کہا تو مصاحبین میں سے کسی نے کہا کہ زنانے دروازے سے لے جاؤ لیکن

حیا نے پھر سے کہلوایا کہ اسے باہر ہی رکنا ہے ــــ دو ایک مصاحبین نے پھیرے کئے ــ وہ پردے کے اندر ہی سے جواب سوال کرتی رہی۔ آخر اس نے دھیرے سے کہلوایا۔

" نواب صاحب سے کہہ دیں کہ تخلیے میں ملنا ہے "

نواب شوکت بھوچکے سے رہ گئے ــــ شادی شدہ آدمی ــ عزت دار نواب یہ کون بے حیا عورت ہے جو خود سے کہہ رہی ہے کہ تخلیے میں، تنہائی میں ملنا ہے ــــ خود ہی اٹھے اور بڑا ہال طے کرتے ہوئے سیڑھیوں کے اوپر ہی زینے پر رک کر شکرام والے سے بولے:

"آنوں نام کیا تبائے ؟"

شکرام والا مڑ کر بولا: "پاشا آنوں پوچھ رئیں آپ کا نام کیا ہوتا ؟" حیا نے شکرام کا پردہ ذرا سا اٹھایا اور نواب شوکت پر بجلی سی گر پڑی۔

"تم ؟ حیا ! یہاں محل میں ؟ بلا مطلب ــــ بلا کام ؟ لوگاں ہمارے متعلق کیا سوچیں گے ؟" وہ مسکرائی۔

"اندر آنے کی اجازت ہے سرکار کی ؟" وہ بار بار حیا سے مل چکے تھے اور انہوں نے خاص طور سے یہ بات محسوس کی تھی کہ لاکھ وہ طوائف تھی اور ناچنا گانا اس کا پیشہ، لیکن اس کے اندازِ گفتگو میں بازاریت اور وہ روایتی طوائف پن نہ تھا بلکہ گھریلو پن اور شرافت تھی جو خاص خاندانی بیبیوں کا طرۂ امتیاز ہوتی ہے لیکن اس وقت اس نے جس طنز بھرے انداز سے انہیں ایک بازاری عورت کی طرح "سرکار" کہہ کر مخاطب کیا تھا اس نے، اس اندازِ گفتگو اور اندازِ تخاطب نے انہیں ہلا کر رکھ دیا تھا ــــ اب نہ کہنے یا بہانہ بنانے کی کوئی راہ نہیں تھی۔

"آیئے ــــ آیئے ــــ" انہوں نے بھی خاصے تکلف کے ساتھ جواب دیا۔ حالانکہ وہ اتنی بار مل چکے تھے اور تکلف کی دیواریں اس حد تک ڈھے چکی تھیں کہ وہ تم تو ں

سے تم" ہو چکی تھی۔

وہ اپنے اسی قاتل اور جان لیوا انداز میں جیسے لہروں پر بہتی چلی آئی ہو۔ آئی اور ادِھر اُدھر دیکھتی کھڑی ہو گئی۔

"بیٹھئے ——" نواب صاحب نے کوئی خاص کھلے دِل سے نہیں کہا۔

"یہی سوچ رہی تھی کہاں بیٹھوں —— ایک زمانہ تھا کہ مستقل آپ کے دِل میں قیام تھا۔ جو اتنی بلندی پر بیٹھ چکا ہو —— اسے فرش اور مسند کتنے حقیر نظر آتے ہوں گے!" نواب شوکت سخت جز بز ہو رہے تھے۔ "بہرحال! وہ دھیرے سے ایک کوچ پر بیٹھ گئی —— دِل میں اتر جانے والی آنکھیں ان کی طرف اُٹھا کر بولی ——

"پتہ ہے آپ کی بیٹی کا نام میں نے کیا رکھا ہے؟" نواب صاحب جو خود بھی بیٹھ چکے تھے، ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑے ہوتے

"ہماری بچی؟" وہ سخت غصّے میں بولے۔

"یہ کیا حماقت ہے ہم کو آپ سے ایسے مزاج کی توقع نہیں تھی۔"

"مذاق ——" وہ تیکھے لہجے میں بولی: "جس حقیقت کو ایک مجھ جیسی عورت اپنی زندگی کی سب سے بڑی خوشی سمجھتی ہے —— مرد ہمیشہ اسے مذاق ہی سمجھتا ہے۔ اس لئے کہ سہرے تورے کے لوازمات اور نکاح کے چند مقدس بول اس عورت اس بازاری عورت کا مقدر نہیں ہوتے جس قبیل سے میں تعلق رکھتی ہوں۔"

"اب آپ بس یہ بتایئے کہ آپ کے واسطے ہم کیا کر سکتے ہیں؟"

اس نے بے حد ترسے ہوئے لہجے میں کہا: "میں آپ سے کچھ نہیں چاہتی۔ صرف آپ کے قدموں میں رہنے کی سعادت چاہتی ہوں۔" نواب صاحب جھنجلا کر بولے:

"دیکھئے حیا بیگم —— ہمارا خاندان نوابوں کا کتنا عظیم الشان اور نامور خاندان ہے —— ہم یہ نہیں بولتے کہ ہمارے خاندان میں کوئی رنڈی بازی نہیں کرایا۔ ناچ گانے سے

شوق نہیں فرمایا —— پر یہ کبھی نہیں ہوا کی کسی طوائف کو گھر ڈال لیا ہو —— آخر نام و نمود اور خاندانی شرافت بھی ایک چیز ہے ——" حیا کا چہرہ غصّے سے تپ گیا —— وہ کھڑی ہوکر تیزی سے بولی :

"معاف کیجئے گا نواب صاحب —— میں آپ کے خیالات کو اتنا گھٹیا نہیں سمجھتی تھی کہ میرے مطالبے کو آپ ایک رکھیل کا درجہ دے دیں گے —— میں تو آپ سے صرف قربت کی خواہاں تھی —— میں نے تو کبھی یہ بھی نہیں چاہا کہ آپ مجھے ایک نظر دیکھ بھی لیں، میں محبت کی ماری تو صرف اس لئے آپ کے ساتھ رہنا چاہتی تھی کہ میں آپ کو دیکھ سکوں —— ان پیاسی اور بے قرار آنکھوں کی پیاس بجھا سکوں جنہوں نے آپ سے پہلے اور آپ کے بعد، کسی کو نہیں دیکھا، نہ دیکھنا چاہیں گی —— آپ اگر بلند نظر ہوتے تو یوں بھی سوچ سکتے تھے کہ میں آپ کی مامائین کر بھی تو رہ سکتی ہوں لیکن آپ کے خیالات کی پستی آپ کو کس قدر نیچے لے گئی —— یہ بھی!

"ہم یہ بھی گوارا نہیں کر سکیں گے کی آپ کو اس محل میں کسی بھی حیثیت سے رکھیں —— آپ خوبصورت ہیں۔ جوان ہیں —— ہمارے نظراں بھی بہکے تو ہماری گھریلو زندگی متاثر ہو سکتی ہے —— اب ایک لڑکی جس کے ماں باپ چھٹا کر اپنی محبت اور بھروسے پر اس کو یہاں لائے، اُس محبت کو کیسا جھوٹا ٹھیرانا ——"

حیا دھیرے دھیرے چلتی اُن کے قریب —— اور قریب —— اور قریب آئی اپنا سر اُٹھا کر اُن کا بلند و بالا وجود دیکھا۔ اور ان کی آنکھوں میں سیدھی دیکھتی ہوئی بولی :

"پھر سے یہ ساری باتیں دُہرایئے —— آپ کے موُنہہ سے اچھی لگتی ہیں ——"

نواب صاحب سٹ پٹا گئے —— انہیں وہ سارے وعدے یاد آ گئے جو انہوں نے اپنی جوانی سے پہلے بھی کسی لڑکی سے کئے تھے اور وہ لڑکی اس وقت ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے طالبہ کر رہی تھی —— "پھر سے یہ ساری باتیں دُہرایئے آپ کے مونہہ سے اچھی لگتی ہیں"

"آپ مجھے اس قدر گری ہوئی عورت سمجھتے ہیں نواب صاحب کہ میں کسی بھی طرح آپ یا آپ کی بیگم صاحبہ کی زندگی میں کانٹا بن کر کھٹکوں گی ـــــ؟" وہ ان کی خاموشی اور مجبوری کو دیکھ کر خود ہی بول اٹھی تھی:

"آپ کو ایک بات بتاؤں؟ عورت اپنی فطرت میں خدا سے بے حد قریب ہے۔ خدا بھی اپنی خدائی میں کسی کی شرکت گوارا نہیں کرتا اور عورت بھی اپنی زندگی اور اپنی دُنیا میں کسی کی شراکت نہیں برداشت کر سکتی ـــــ آپ کی بیگم صاحبہ میرا وُجود نہیں برداشت کر سکیں گی تو میں خود انہیں کہاں برداشت کر سکوں گی؟ یہ تو میں صرف آپ کو آزما رہی تھی دیکھ رہی تھی کہ میرا چاہنے والا میری محبت میں کتنا اونچا ہے؟" آراستہ و پیراستہ شاندار محل کے اسی شاندار کمرے میں بس دو متنفس تھے اور سانسوں کا زیر و بم ـــــ بڑی دیر بعد نواب صاحب بولے:

"آپ کے لئے ہم کر ہی کیا سکتے ہیں ـــــ پھر بھی آپ کچھ چاہیں تو...."

"وہ مسکرائی: "آپ صرف مجھے ایک سوال کا جواب دے دیں ـــــ مجھے سب کچھ مل جائے گا۔"

نواب صاحب تجسّس کے مارے سراپا سوال بن گئے۔

"کون سا سوال ـــــ؟"

"کیا آپ اپنی موجودہ زندگی سے خوش ہیں ـــــ؟ آپ کو کسی بات کا غم یا پچھتاوا تو نہیں؟"

نواب صاحب کے تنے ہوئے اعصاب پُرسکون ہو گئے تھے اور بڑی دیر بعد ان کے چہرے پر ذرا سی اطمینان بھری مسکراہٹ بھی آ گئی۔

"خدا کا کرم ہے کہ ہم بے حد خوش ہیں اور غم یا پچھتاوے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

سرسراتی آگ کی لپٹیں جانے کہاں کہاں سے آ کر اس کے وجود کو جھلسنے لگیں۔

"ہم بے حد خوش ہیں ——"

"ہم بے حد خوش ہیں ——"، غم یا پچھتاوے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا"

میری زندگی کو غموں کا سدا بہار جہنم بنا کر یہ شخص کتنا مکین ہے —— کتنا پُرسکون ہے —— اے خدا عورت کو تو نے اتنا مجبور کیوں بنایا؟ ان دیکھی آگ کی لپٹوں نے بڑھ بڑھ کے اس کے وجود کو تپا دیا —— وہ سُلگ اُٹھی —— اب اُسے کیا لینا تھا —— محبّت کا صرف ایک بول، گزرے لمحوں کی ایک خوب صورت یاد —— خوب صورت یادوں کا صرف ایک لمحہ اسے زندگی سے ہمکنار کر سکتا تھا —— وہ اپنی ساری کلفتیں، ساری رنجشیں، سارے غم، سارے آنسو بھول جاتی، اگر یہ شخص غمگین ہو کر سر جھکا لیتا —— خاموش رہ جاتا —— دُکھ بھری بوجھل آواز سے صرف اتنا کہہ دیتا۔

"ایسا جان لیوا سوال کیوں پوچھتی ہو؟"

واپسی کے سارے راستے زندگی نے بند کر ڈالے —— وہ یوں ہی احساسات سے عاری، انہیں دیکھتی رہی، دیکھتی رہی —— پھر وہ اُٹھے —— طلائی کام والے سلیم شاہی جُوتے پہنے —— بڑے سے ہال کے کونے میں گئے —— آہنی تجوری کو چابی لگا کر اپنی مضبوط اور لانبی انگلیوں کے دباؤ سے گھما کر، پٹ کھولا —— پٹ کھلتے ہی اندر آگ سی دہکی —— دھوپ سمان سونا کرنیں بکھیر رہا تھا —— انہوں نے اشرفیاں گننی شروع کیں پھر انہوں نے ایک سُرخ تھیلی میں وہ ساری اشرفیاں بھریں —— تجوری بند کی واپس مُڑے تو حیا تلوار کی طرح تنی ان کے راستے میں کھڑی ہوئی تھی۔

"تاریخ رضیہ سلطانہ کا نام اپنی یادوں میں ہمیشہ محفوظ رکھے گی کہ اُس نے اتنی عظیم الشان سلطنت پر بادشاہت کی تھی ——" وہ حیرت سے دیکھا کیے۔ وہ سُناتی گئی: "لیکن کوئی مورخ مجھے یاد نہیں کرے گا نہ تاریخ میں میرا نام ہی سُنہرے حرفوں سے لکھا جائے گا —— حالانکہ میں نے بھی رضیہ سُلطانہ کی طرح بادشاہت کی ہے ——

اس نے تو محض سلطنت پر حکومت کی ہے، میں نے تو اس عظیم الشان اور بے مثال تخت پر تاجوری کی ہے جسے ایک مرد کا دل کہتے ہیں ـــــ شوکت نواب! اپنے حسابوں میں بھی ایک ملکہ ہی رہی ـــــ ایک ایسی سلطنت میری قلمرو میں رہی جسے میں چاہتی تو ایک دھکے سے چُور چُور کر دیتی ـــــ لیکن میں، جو بنیادی طور پر ایک عورت تھی، عورت ہی رہی ـــــ فنِ سپہ گری مجھے نہ آ پایا ـــــ تباہ و تاراج کر دینے کی ادا میں نہ اپنا پائی ـــــ قوموں کی زندگی کی بات میں نہیں کرتی، لیکن فردوں کی زندگی میں عورت کی ایک نگاہ ـــــ محض ایک نگاہ نے ہرے بھرے باغ اُجاڑ دیتے ہیں، ہنستے کھیلتے گھرانے برباد کر دیئے ہیں اور میری نگاہ! نواب شوکت تم جانتے ہو میری نگاہ کا مآل کیا ہے! یہ تلوار ایسی تلوار تھی جس کی کاٹ ہی نہیں تھی، لیکن تمہاری خاطر میں نے یہ کُند کر لی تھی، کیوں کہ اگر یہ صیقل ہو جاتی تو ایک مقتل بپا ہو جاتا ـــــ اور مجھے تو صرف ایک ہی کا ہو کر چلنا تھا ـــــ وہ ایک ـــــ کہ میں تو اس کی ہو گئی ـــــ وہی میرا نہ ہو سکا ـــــ شاید برسوں گزرنے پر داستاں در داستاں، زباں در زباں، نانیاں، دادیاں دونوں ہی کہانیاں سنائیں گی اور مسافر راستہ بھولیں گے ـــــ تب کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی لمحے اس داستان کو سن کر کوئی بھولا مسافر راستے سے بھٹکا، مسافر میرا راز پا لے گا ـــــ میری دفن شدہ محبت کو ڈھونڈھ نکالے گا اور تب سننے والے کہیں گے جس کی کہانی سن کر لوگ آج راستہ بھول گئے ـــــ وہ خود کتنے سیدھے راستے پر چلی تھی!"

بولتے بولتے وہ اچانک رُک گئی ـــــ اس کی آواز آنسوؤں سے بھاری ہو گئی

وہ آگے بڑھی ـــــ نواب شوکت کے قریب پہنچ کر بولی۔

"میں کس راستے پر چلوں نواب شوکت! مجھے بتاؤ میں کس راستے پر چلوں؟ وہ تو تب کی بات ہے جب میری کہانی سن کر لوگ کہیں گے کہ وہ کتنے سیدھے راستے پر چلی تھی ـــــ لیکن آج جب کہ میری ساری راہیں گم ہو چکی ہیں ـــــ میں تم ہی سے سوال کرتی ہوں کہ

مَیں کس راستے پر چلوں ــــ بتاؤ ــــ جواب دو؟" اور وہ نڈھال ہو کر وہیں گر پڑی۔

شوکت نواب نے خاموشی سے اُسے دیکھا۔ ڈرتے ہوئے کہ کوئی اسے دیکھ نہ لے۔ اس کے قریب گئے اور اشرفیوں کی تھیلی اُسے دیتے ہوئے لجاجت سے بولے:

"اب خدا کے واسطے یہ رونا دھونا بند کر کے تم جلدی سے نکل کے چلے جاؤ۔ کوئی دیکھ لیا تو بہت بُرا ہو میں گا ــــ" حیا نے زہر میں بجھے ہوئے لہجے میں پوچھا:

"میری قیمت دے رہے ہو نا نواب؟"

"فضول باتاں نکو کرو، پیسہ بہت ضروری چیز ہے ــــ خوشی میں، غم میں ہر مصیبت میں ــــ اس کے بغیر کام نہیں دھکتا ــــ اچھا چلو یہی سمجھ لو کی تمہاری قیمت دے رہے ہیں ــــ مگر کام تو آئیں گا نا ــــ دس ہزار اشرفیاں کم نہیں ہوتے۔"

حیا نے اشرفیوں کی تھیلی ہاتھ بڑھا کر تھام لی ــــ اتنی وزنی تھی کہ اس کا ہاتھ ڈول گیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے تھیلی سنبھال لی۔

"آپ کی کس کس عنایت کا شکریہ ادا کروں آخر ــــ الفاظ ایسے موقعوں پر کس قدر حقیر ثابت ہوتے ہیں ــــ" نواب شوکت کچھ نہیں بولے ــــ اس وقت ان کے ہر انداز سے یہ ظاہر تھا کہ کم بخت جلد نکل چکے ــــ ٹر چکے ــــ وہ اُن کے چہرے سے اُن کے جذبات پڑھ رہی تھی اور جان جان کر لمحوں کو طول دیے جا رہی تھی۔

دروازے کے قریب جا کر وہ پھر رُکی ــــ

"میں ہمیشہ اپنے آپ کو لفظوں کی ملکہ سمجھتی رہی کہ الفاظ جس کے حضور دست بستہ غلاموں کی طرح ہاتھ جوڑے کھڑے رہتے ہیں ــــ جسے چاہوں حکم دوں اور وہ حاضر ہو جائے لیکن آج میں خود کو تہی دامن پا رہی ہوں۔ آج میں ملکہ کی بجائے ایک کنیز سے بھی گئی گزری خود کو پا رہی ہوں ــــ الفاظ رنگین تتلیوں کی مانند پروں کو لہراتے دور کہیں دور نکل چلے ہیں، اور میں خالی ہاتھ سوچتی کھڑی رہ گئی ہوں۔ الفاظ تتلیاں بن کر اُڑ گئے تھے تو اُڑ گئے

کم سے کم زبان تو میرا ساتھ دے دیتی ـــــ زبان نہیں تو آنکھوں کی زبان، جو صرف تم نے پڑھی ـــــ تم نے ہی سمجھی ـــــ اور تم نے ـــــ تم نے شوکت نواب تم نے ہی بھلا بھی دی ـــــ خدا حافظ ـــــ۔" وہ دانتوں سے ہونٹوں کو کاٹتی اپنے ننھے سے وجود کو کانپتے تڑپتے وجود کو سنبھالتی ـــــ ہاتھوں میں اشرفیوں کی تھیلی کو مسوستی، سیڑھیاں اتر گئی تو شوکت نواب کے دل سے، ذہن سے اور یادوں سے بھی اتر گئی۔

شکرام میں بیٹھ کر وہ تھکے ہوئے لہجے میں بولی:

شکرام والے۔ تمہیں کچھ یتیم خانوں کے نام پتے یاد ہوں گے؟"

"جی ہو پاشا ـــــ" وہ بغیر مڑے نرمی سے بولا:

"جتنے بھی یتیم خانے تم نے دیکھے ہیں۔ باری باری مجھے سب جگہوں پر لے چلو۔"

"جیسا حکم پاشا کا ـــــ" وہ سعادت مندی سے بولا۔

شکرام جگہ جگہ رکتی گئی اور مٹھیاں بھر بھر کر اشرفیاں وہ لٹاتی گئی ـــــ یتیم خانوں کے مہتمم اور نگراں حیرت زدہ سے اس مخیر اور حاتم طائی صفت لڑکی کو دیکھتے رہ جاتے جو بنا رسید کٹوائے یوں سونا لٹا رہی تھی۔

اس کے گھر کے دروازے کے پاس جب شکرام رکی تو اس نے سرخ تھیلی شکرام والے کے حوالے کر دی ـــــ جس میں بیس پچیس اشرفیاں کھن کھنا رہی تھیں ـــــ اس نے بے اعتباری کے عالم میں تھیلی میں جھانک کر دیکھا ـــــ مگر اشرفیوں کو دیکھ کر وہ گنگ سا رہ گیا۔ بڑی مشکل سے وہ بول پایا۔

"بخشو پاشا ـــــ میں غریب آدمی ـــــ کبھی امین صاحب (پولیس) دیکھ لئے یا کوئی بھی جھوٹ سچ شکایت کر دیا تو مارا جاؤں گا ـــــ میرے کو کرائے کے ڈیڑھ روپے بس پاشا ـــــ"

وہ نرمی سے بولی: "میں اپنی خوشی سے دے رہی ہوں —— اور شکایت کون کرے گا؟ کسی کو پتہ ہو تب نا —— تمہارے اپنے سوا کون یہ بات جاننے چلا؟"

"پاشا ——" وہ سراپا آنسو بن کر بولا: "میرے تو پشتاں سج کریں گے۔ خدا آپ کو اس کا اجر دیں گا —— آپ کے سارے دل کے ارماں پورے کریں گا ——" وہ آگے بڑھتا پیچھے مڑتا سخت بے یقینی اور بے اعتباری کے عالم میں بسترام پر جا بیٹھا —— جیسے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا لیں۔

"اے خدا تو گواہ رہیو کہ تو سب سے بڑا منصف ہے کہ آج میں ہر قرض سے سبکدوش ہو گیا ——"

پازیب کی چھم چھم سن کر زمانی بیگم حیا کے کمرے میں لپکی آئیں کیسی خوب صورت لگ رہی تھی —— نگاہ بھر کر دیکھا نہ جاتا تھا۔

"کیا کرنے گئی تھی بیٹی ——" وہ دکھے دل سے بولیں۔

"میں دلہن بننے گئی تھی اماں ——" وہ پلنگ کی پٹی سے ٹکی اتنی اداس بیٹھی تھی کہ سارا ماحول غم میں ڈوب سا گیا تھا —— ہلکے سے مسکرا کر اس نے سر اٹھایا۔

"اماں دلہن بننا اتنی مشکل بات ہے؟ میں تو سمجھتی تھی زیورات سے سج کر سرخ کپڑے پہن لے تو کوئی بھی لڑکی دلہن بن جاتی ہے —— لیکن اماں پتہ چلا کہ اپنے دل کے خون سے بھی کپڑے رنگ ڈالو تو بھی سہاگ کی سرخی نہیں ملتی ——" وہ بیٹھی اپنی ہتھیلی کی لکیریں دیکھتی رہی —— زمانی بیگم یونہی دروازے میں کھڑی کی کھڑی رہ گئیں —— دوسرے کمرے سے لڑکیوں کی باتوں، ہنسی مذاق کی آوازیں آرہی تھیں —— کوئی لڑکی شاید پیروں میں گھنگرو باندھے ادھر ادھر آجا رہی تھی —— زمانی بیگم نے ماحول کا —— اس کے گرد تنے ماحول کا سناٹا توڑنے کی خاطر بات کی۔

"اے بیٹی —— اتنی ننھی سی جان کو جھیلا کرا تنی دیر کوئی با ہر رہتا ہے —— روتے روتے ہلکان ہو گئی نامُراد —— "حیا نے سر اُٹھا کر خالی خالی آنکھوں سے انہیں دیکھا۔

"امّاں نواب حسنات اپنی زندگی سے بہت خوش ہیں ——" اس نے بے ربط جواب دیا اور ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی —— زمانی بیگم لپک کر آگے بڑھیں اور اُسے گلے سے لگا لیا۔

"اے جانے بھی دے بیٹی —— کم بخت کے پیچھے اپنی جان ہلکان کئے دیتی ہے۔ اپنا حسن دیکھ اپنی بے مثال جوانی دیکھ —— ایسے کتنے کتنے شوکت نواب آئیں گے اور تیرے تلوے چاٹیں گے —— خوش ہوتا پھرے باری بلا سے —— اور خوش کیوں نہ ہو گا —— محل سے خواجہ سرا لڈوؤں کے تھال پہنچا گیا تھا —— بیگم کی ابھی جھنگلیاں بھی پوری نہیں ہوئی ہیں اور ایکائیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا —— بتا رہا تھا سرکار نے محل میں کہہ رکھا ہے بیٹے کی پیدائش پر خوشی میں تمہارا بھی ناچ گانا رکھا جائے گا"

"امّاں —— امّاں —— وہ کرب سے بولی: "ایک ہی ساتھ سارا خون نچوڑ لیجئے یوں قطرہ قطرہ کر کے نہیں امّاں —— بہت تکلیف ہوتی ہے امّاں ——" ماں نے دُکھتے دل سے بیٹی کو دیکھا: "ساری جوانی جس ایک پودے کو پروان چڑھانے میں گزار دی کیسا مرجھایا جا رہا ہے —— خداوندا اگر تو یہ کم بخت دل نہ بناتا تو تیرا کیا جاتا —— مٹھی بھر کا لوتھڑا ساری زندگی پہ بھاری ——" روتے روتے اس نے سر اُٹھا کر ماں کو دیکھا اور عجیب اجنبی سے لہجے میں بولی:

"امّاں —— آج میرا ناچنے گانے کا جی چاہ رہا ہے! ناچوں گی، گاؤں گی اور دعا کروں گی کہ خدا انہیں بیٹا دے ——" زمانی بیگم نے حیرت سے اُسے دیکھا۔ کہیں بٹیا کا دماغ تو نہیں اُلٹ گیا —— لیکن وہ بھلے سبھاؤ میں کہہ رہی تھی۔

"امّاں ساری زندگی تو دوسروں کے لئے ناچتے رہے —— دوسروں کو خوش کرنے

کو ناچتے رہے۔ آج ایک دن اپنے لئے بھی"۔ وہ ان سے لپٹ گئی۔ "اماں آج اپنا سارا فن مجھے سکھا دو۔ موسیقی کے زیروبم گھنگھروؤں اور طبلے کی تھاپ پہ مجھے رقص کا وہ انداز عطا کیجئے کہ جب بھی ناچنے کو اٹھوں تو میرے ساتھ پوری کائنات رقص کرنے لگے — زمین و آسمان وجد کرنے لگیں۔
"اری بیٹی میں کون سی بڑی ماہرِ فن ہوں — اپنے بڑوں سے جو کچھ سیکھا وہی تم تک پہنچا دیا — ہاں یہ ضرور ہے کہ اپنے دل سے اضافے اور چاہتیں خوب کیں — ثمیا ہم نے تو مروجہ اصولوں کے خلاف بریانی تک میں بھی پسی ہوئی سرخ مرچ ڈالی اور داد پائی — موسیقی اور رقص میں بھی اپنے طور پر یہی کچھ کیا کہ کانوں کو بھلا لگے اور آنکھوں کو تراوٹ بخشے — ماہرینِ فن اگر دیکھ لیں کہ اپنی لڑکیوں کو بیک وقت ہارمونیم، سارنگی، ڈھولکی، منکی، طبلے اور تالی کی سنگت میں نچاتی ہوں تو کان پکڑ کر محفل سے نکال دیں — لیکن بیٹی میں نے تو اپنے تجربے سے اتنا جانا ہے کہ اُس مالک کی قدرت کے صدقے جایئے کہ لہروں کی ترل ترل آواز بھی ہم آہنگ ہو کر رقص کے لئے موسیقی بن جاتی ہے۔ چٹکی یا محض زبان کی تچ تچ یا تالی۔ کوئی بھی آواز ایک مخصوص لَے سے بجے تو رقص کے لئے سارنگا بن جاتی ہے — تو پھر طبلہ؟ یہ تو حضرت امیر خسروؒ کی دین ہے — عورت ہو کر بھی اسی لئے اس کو اپنایا کہ کچھ تو حضرتؒ سے واسطہ قائم رہے۔ ۔ ۔ ۔"
حیا انہماک سے اُن کی باتیں سُن رہی تھی — زمانی بیگم خوش تھیں کہ بیٹی کا دھیان بٹ گیا ہے لیکن وہ سخت حیرت زدہ بھی تھیں کہ ناچ رنگ موسیقی سے حد درجہ اُکتاتی ہوئی یہ لڑکی اچانک آج اتنے انہماک سے سبق لے رہی ہے؟ کیا وہ اپنے دلِ ناکام کا بدلہ لینے اس جگمگاتی دُنیا میں لوٹ آنے کے بارے میں سوچ رہی ہے۔ یا کچھ بھی ہو وہ ماں ہونے کے ناطے اس وقت بے حد خوش تھیں کہ تھوڑی دیر کے لئے ہی سہی وہ اپنے غموں کے حصار سے باہر نکلی تو سہی — دھیرے دھیرے سہی۔ میں اُسے پھر اسی ماحول میں کھینچ لاؤں گی۔ انہوں نے اپنے دل میں ایک فیصلہ کیا۔

"اماں —— آج نہی تال آڑا چو تالہ دیجئے —— اور سارے سازوں کو اونچے اونچے سُروں میں چلنے دیجئے —— اتنے اونچے سُر ہوں کہ اس شور میں میرے دل کی ہر پُکار دب کر دفن ہو کر رہ جائے۔ میرے قدم بے ترتیب پڑیں تو پڑنے دیں، آج ہر آزارگی رزا ہے۔ ہر بے ترتیبی مباح ہے ——"

ناچتے ناچتے وہ بے حال ہو گئی —— بجانے والے پسینہ پسینہ ہو گئے، مگر وہ ناچے گئی —— ناچے گئی اور تھک کر وہ ماں کی آغوش میں آ گری —— کلیجے کو کھرچ دینے والے درد بھرے لہجے میں ماں سے گلے سے لپٹ کر بولی۔

"اماں اتنے تیز شور میں بھی دل کی دھڑکن کتنی نمایاں ہے! کہیں ساجن کرو اں میری اماں کہ اس دل کا ساتھ چھوٹ جائے ——"

دِل کا ساتھ تو خیر نہ چھوٹا لیکن برسوں کا ماں بیٹی کا ساتھ ضرور چھوٹ گیا —— حیا اپنے دل کے ہاتھوں اُجڑی اُجڑی، تنہا تنہا اور اداس اُداس رہتی تھی۔ لیکن دستور از معمول کے مطابق کوٹھے کی اور لڑکیاں تو اسی طرح رہتی تھیں —— سجتی، سنورتی تھیں —— ہر شام محفلیں جمتی تھیں —— ساز چھیڑے جاتے تھے —— بڑا سارا کوٹھا تھا —— کئی کمرے تھے۔ شب باشی کی سیجیں الگ الگ کمروں میں تھیں —— اپنے بندھے ہوئے اصولوں پر سارا کاج کاروبار چلتا تھا —— زمانی بیگم اپنی سخت مزاجی کے باوجود بہرحال ایک ماں تھیں۔ گالیاں کوسنے تیز ترش بول سب انہوں نے آج کل بھلا دیے تھے —— بٹیا کا دل ایسا ٹوٹا کہ وہ خود آدھی ہو کر رہ گئی تھیں —— اسے کچھ بھی نہ کہتیں —— نہ سجنے کو نہ سنورنے کو —— نہ گانے کو

نہ ناچنے کو ـــــ سوچتی تھیں ـــــ چند دنوں میں غم ذرا ہلکا پڑے گا تو خود ہی گھنگرو باندھ لے گی ـــــ دوسری لڑکیوں کے معمول بھی بندھے ہوئے تھے اور گاہک بھی ـــــ خود ہی تیار ہو بیٹھتیں اور اپنی محفلیں سنبھال لیتیں ـــــ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں تھیں ـــــ حیا کا یہ تھا کہ دکھوں سے ٹوٹ گئی تھی اور ویسے دیکھا جائے تو ایک نہ دو پورے پچاس ہزار شوکت نواب شادی کی تیاری کے سلسلے میں دے چکے تھے جو بعد میں نا پس لئے بھی نہیں ـــــ اتنا تو ساری لڑکیاں اور خود حیا بھی زندگی بھر مل کر کمائیں تو بھی شاید ہی جمع کر پائیں ـــــ تو اس کو تنگ کرنے فائدہ بھی کیا تھا اور فائدہ نقصان تو بعد کی بات تھی، اول تو خود انہی کا دل بیٹھ کر آدھی بات بھی کہنے کو نہ چاہتا ـــــ کہاں یہ کہتی پھرتیں کہ "بٹیا خود کو سجا سنوار کر مسند سنبھال ـــــ"

اس چار پہری کو سو کر اٹھیں تو روز کا سا سماں اور معمول تھا ـــــ گجرے والا گجرے دے کر ابھی گیا تھا ـــــ پنہارن ڈھوئی بھر کر بان آنگن میں رکھے مٹکوں اور صراحیوں کے پاس لال لال صافی میں لپیٹ، پانی کے چھینٹے دے کر لپیٹ گئی تھی ـــــ چھڑکاؤ والا بہشتی یہاں سے وہاں تک اڑتے گرد کے بادل کو تھپک تھپک کر سلا گیا تھا اور اب سارے آنگن میں سوندھی سوندھی خوشبو آ رہی تھی جس میں اب ادھ کھلے گجروں کی کلیوں کی مدھ ماتی خوشبو بھی شامل ہو رہی تھی ـــــ ماما ظہورن رات کے کھانے کے لئے گلاوٹ کے کباب تیار کر رہی تھی ـــــ باورچی خانوں سے گرم مسالے کی خوشبو کی لپٹیں چلی آ رہی تھیں ـــــ ساتھ ساتھ ظہورن کے تبصرے بھی ـــــ

"مٹی پڑے کو جاؤ موا قصائی سارے چھیچھڑے بھر کو گیا ـــــ کیا کیا پال بنیں گے اجاڑ۔ ہور اب دیکھو وہ موا گولی کا بچہ دودھ دے کر جائے گا سو ـــــ آدھا پانی آدھا دودھ ـــــ کیا تو بھی بچی دم پکڑیں گی ـــــ ماں کے دودھ میں طاقت رہتی پن جیسے فی باشا کو اتا دودھ کاں اترتا ـــــ او غفورے موئے دھتی ـــــ گو! آئے گا تو ذرا رقیے سے بات کر ـــــ

اِتّی سی بچی دیکھو اور اس کے رنج کے ساتھ بے ایمانی پن دیکھو۔"

دُودھ ـــــ گُولی ـــــ بچی سُنتے سُنتے ہی زمانی بیگم کی آنکھ کھُل گئی تھی ـــــ روز اس وقت اُٹھتے ہی سب سے پہلے ماما یا کریمن، یا غفورے یا چھمن خاں سے نواسی کو بلواتیں ـــــ اپنے بستر پر لٹاتیں توتلا توتلا کر باتیں کرتیں ـــــ لپٹا لپٹا کر خوب پیار کرتیں پھر مونہہ ہاتھ دھونے کے لیے بستر سے اُترتیں ـــــ آج کریمن کو آواز دی کہ بچی کو لائے تو کریمن نے جواب دیا " چھوٹی بی بی تو نہ بھی آج ابھی تک نہیں اُٹھیں ـــــ دروازہ بند ہے۔"

مونہہ ہاتھ دھو کر، اطمینان سے چائے پی، تمباکو والا پان کھا کر وہ حیا کے کمرے میں پہنچیں تو دروازہ کھڑا ہوا ہی تھا ـــــ ذرا سے دھکے سے کھُل گیا ـــــ انہوں نے اندر داخل ہو کر دیکھا تو کمرہ خالی! گھبرا کر اِدھر دیکھا اُدھر دیکھا ـــــ نہ بچی نہ ماں ـــــ باہر نکل کر کمرے میں جھانکا ـــــ سب اپنے اپنے کاموں میں ساجے سنگار میں، سجنے سنورنے گنگنانے، ہنسی مذاق، چھیڑ چھاڑ میں لگی ہوتی تھیں۔

"اری لڑکیو! حیا کو دیکھا؟ ایک ایک سے پوچھتی گئیں، ـــــ ناں میں جواب پاتی گئیں ـــــ دھڑ دھڑ کرتے دِل کو پکڑ کے غفورے کو پکارا ـــــ چھمن خاں کو آواز دی۔

" ارے نامُرادو! ـــــ کہاں مر گئے سب کے سب ـــــ ارے کسی نے میری بچی کو دیکھا ـــــ "

چھمن خاں سراسیمہ سے بھاگے آتے: " بیگم صاحبہ میں تو پھاٹک ہی میں لیٹا رہا ہوں۔ میرے سامنے سے تو نہیں نکلیں۔"

" اے تم پہ خدا کی مار ـــــ پلنگ میں پڑے پڑے اکیلی جاتی تو کچھ نہ تھا۔ ننھی سی جان کو بھی ساتھ لے گئی ـــــ ابھی اپنا آپ سنبھالنا تو آتا نہیں۔ بچی کو کیا سنبھالے گی ـــــ ارے دوڑو جاؤ دیکھو درگاہ شریف نہ چلی گئی ہو ـــــ ایسے ہی آج کل اڑی اڑی رہتی ہے دِل کے سکون کی خاطر دُعا مانگنے۔ فاتحہ پڑھنے چلی گئی ہوگی ـــــ "

یہاں وہاں سب طرف آدمی دوڑا دیے گئے ——— لڑکیاں بالیوں میں بھی سب میں چوں چوں ہو گئی ——— سب اپنے اپنے کام چھوڑ کر وہیں آ کھڑی ہوئیں — غفور بھی آ گیا ——— چھمن خاں بھی یونہی لوٹ آئے ——— کریمن، ظہورن جس کی جہاں جہاں پہنچ تھی ——— اپنے اپنے ٹھکانوں تک ہو آئے ——— کوئی خبر نہ ملی ——— نانی بیگم تو بیہوش ہو کر پڑی تھیں ——— ایک سے ایک خیالات دل و دماغ پر یلغار کر رہے تھے۔

"بدنصیب اپنی جان پر نہ کھیل گئی ہو ——— آنسوؤں سے ہی ناطہ جوڑ لیا تھا ——— نہ کھانا نہ پینا ——— بات کرتی بھی تھی تو اس نامراد نواب کی ——— کیسے کھلے پھول کی طرح تازہ خوشبودار تھی میری بچی۔ مگر کیسی دھواں دھار ہو کر رہ گئی تھی ——— خدا کرے کسی جان پہچان والے کے ہاں رہ گئی ہو ——— یا اپنی کسی ملنے جلنے والی کے ہاں چلی گئی ہو ——— رات بھر بچی کو کیسے سنبھالے گی ——— نامراد کے دودھ بھی تو نہیں اترا ——— چار دن بھی نہ پلا سکی۔ اوپر کے دودھ پر ننھی سی جان پل رہی تھی ——— ایسے ہی اٹھا کر لے کر چلی گئی ——— نہ شیشی لے گئی نہ چمچی نہ کٹوری ——— کاہے میں دودھ پلائے گی ——— گدیلا اور پھالیاں بھی تو یہیں دھری پڑی ہیں ——— خدا جانے پیسے بھی ساتھ میں لے گئی یا یونہی اٹھ کر چل پڑی ——— ننھی توشک اور دُلائی تو یہیں پڑی ہے ——— رات کو سردی میں بچی ٹھٹھرے گی نہیں۔ خود اس نامراد نے اللہ جانے کیا کھایا کیا نہیں۔ میں نصیبوں کی جلی سوتی رہی، اب جانے کب آئے؟" ایک سے ایک خیال آتا تھا اور نئے سرے سے ان کے دل میں ہول اٹھتے تھے۔

"بڑے بڑے تالاب ہیں کہیں بچی سمیت جان دے دی تو ڈھونڈے سے لاشیں بھی نہ ملیں گی" پھر توبہ توبہ کرتیں ——— میری عقل پر پتھر پڑیں۔ جانے کیسی بُری بُری باتیں سوچ رہی ہوں ——— مریں اس کے دشمن ——— اٹھارہ انیس سال کی عمر بھی کوئی مرنے کی عمر ہوتی ہے ——— مجھ دکھیا کو چھوڑ کر مرے گی کیسے ——— اسے پتہ نہیں کیا کہ ایک وہی ہے میری ——— پوری دنیا لوگوں سے بھری ہوئی ہے ——— لیکن میری اپنی تو بس وہی ایک ہے۔ وہ کیسے مجھے چھوڑ کر

چلی جائے گی ـــــ آجائے گی۔

وسوسوں میں ایک دن گزرا ـــــ روتے بلکتے دوسرا دن گزرا ـــــ پھر سر پیٹتے اپنے آپ کو نوچتے تیسرا دن گزرا۔ اور پھر دن گزرتے ہی چلے گئے اور روتے روتے زمانی بیگم کی آنکھیں دھندلی ہوتی گئیں لیکن جسے آنا تھا نہ آئی ـــــ عمر ڈھل گئی تھی لیکن زمانی بیگم کی اپنی ایک ادا تھی ـــــ ایک انداز تھا ـــــ ایک طنطنہ تھا۔ محفل میں جس جگہ بیٹھ جاتیں لگتا کہاں بیٹھی ہیں ـــــ خضاب کیے ہوئے سیاہ بال ـــــ کمان کی موٹی بھویں ـــــ گہرا گہرا کاجل۔ پاؤڈر غازہ سے سرخ و سفید چہرہ۔ ہونٹوں پہ لالی، اور اس کے اوپر مسی کی اودی اودی دھڑی ـــــ ہلکا پھلکا زیور۔ ناک میں ہیرے کی لونگ۔ لشکارے مارتی ہوئی ـــــ کانوں میں ریشم کے پھولوں کے ہالے ـــــ بھر بھر چوڑیاں ہاتھوں میں ـــــ انگلیوں میں سجاوٹ کی انگوٹھیاں بکی بکی۔ تال اور ٹھیکے دینے کے لئے بھاری سونے کی انگوٹھیاں الگ ـــــ شادی بیاہ کا موقع آتا تو پپوٹوں کے اوپر اور آنکھوں کے نیچے ہلکی ہلکی افشاں بھی چُن لیتیں ـــــ بڑی متوالی اور سایان کو زیر و زبر کر دینے والی آنکھیں تھیں ـــــ اور اس پہ مستزاد ہنسی ـــــ لوگ ہونٹوں سے ہنستے مسکراتے ہیں، اور وہ آنکھوں سے یہ کام لیتی تھیں ـــــ اسی لئے جس کونے میں بیٹھ جاتیں وہ کونہ ہنسنے لگتا ـــــ کہنے والے کہتے: "اس عمر میں بھی ماں چاہے تو بیٹی کا گاہک توڑ لائے ـــــ" ایسی چھب تھی کبھی چوڑی دار، کبھی غرارے ـــــ

لیکن اب وہی دمکتی چمکتی زمانی بیگم تتر بتر ہو گئیں ـــــ خضاب چھوٹا تو یہاں وہاں سے سفید سفید بادل جھلکنے لگے ـــــ کاجل والی آنکھیں روتے روتے دیتے میں پڑی بتی کی طرح چوندھی ہو گئیں ـــــ غازے پوڈر سے اجلائے گئے گال آنسو پونچھتے پونچھتے چنریوں اور دھجیوں کی طرح لٹک آئے ـــــ کہاں تو جس جگہ بھی بیٹھ جاتی تھیں وہ کونا بھرا بھرا ہنستا بستا لگنے لگتا تھا۔ اب پائنتی پڑی گدڑی گری ترچی رضائی کی طرح کہیں بھی پڑی رہتیں تو

لوگوں کو نظر بھی نہ آتیں ——— لڑکیوں بالیوں نے یہ ولیرے ویکھے تو پہلے ہی کون سا اچھا رہتی تھیں اب تو بالکل ہی کونے میں ڈال دیا ——— چوک کے اس جگمگاتے کوٹھے کی وہ رُت ہی بدل گئی۔

کہنے والے غلط نہیں کہتے کہ رنڈی ہوتی تو سدا سہاگن ہے لیکن ایسی سہاگن کہ بُرا بھلا وقت پڑے تو کوئی سہاگ ایسا نہیں ہوتا جو وقت پر سہارا دے ——— بیمار پڑے تو تیمارداری کرے۔ بوڑھی ہو تو خدمت کرے ——— جس طرح دولت آتی ہے، ایسے ہی جاتی بھی ہے ——— زمانی بیگم کو دیکھ کر کوئی یہ نہیں سوچ سکتا تھا کہ ایسے تیسے اور ٹھسے کی ایسی زبان چلانے والی عورت یوں دھول مٹی ہو کر کونا پکڑ لے گی ——— اُن میں تو اُٹھنے بھر کا بھی دَم نہیں رہ گیا تھا ——— چاروں پانچوں لڑکیوں نے صلاح مشورہ کر کے پورا جمع جتھا قبضے میں کیا اور نئے نئے ٹھکانوں پر جا کر بیٹھ گئیں ——— غفورا سدا کا بھگوڑا تھا۔ بار بار بھاگتا ——— بار بار جھمن خاں پکڑ پکڑ کر لاتے کہ بیگم صاحبہ کو باہر کے سودا سلف کی آسانی تھی۔ اب وہی ڈھے گئیں تو کون بازار کا کوڑی پھیرا کرواتا ——— کریمن کو صابر اپنے ساتھ لگا لے گئیں ——— ظہورن تو ہمیشہ سے باورچی خانے کی سلطنت کی ملکہ تھیں۔ کبھی تو اِدھر قدم نہ دھرا ——— اس اللہ کی بندی کو تو یہ تک بھی معلوم نہ تھا کہ رات ہوتے ہی یہاں کیسے دن نکل آتا ہے اور کیسے کیسے سہاگ چڑھتے اور بن برات دولہے آتے ہیں۔ وہ اپنی بیگم صاحبہ کی دی ہوئی باورچی خانے سے لگی کوٹھری میں بے حد مگن رہتی ——— بلا ضرورت نہ بیگم صاحبہ سے بات کرتیں نہ کسی اور سے ——— ہاں خود سے جی چاہتا تو تبصرے پر تبصرے حالات حاضرہ پر کیے جاتیں ——— بیگم صاحبہ کے بیمار پڑ جانے کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا ——— جانے والیوں نے البتہ ساتھ لے جانے کی پیشکش کی تو خوب غصہ ہو کر بولیں:

"تم حرام خور نیاں جاتے ——— جاؤ ——— اُنوں میرے کو جیتے جی کھانے کو مکڑا

دیتے، پہننے کو کپڑا ــــ مرنے پہ زمین کا ٹکڑا بھی دیں گے مہر کفن کا لٹھا بھی ــــ ''بھائیں
بھائیں کرتے گھر میں صرف ایک چھمن خاں تھے جو صحیح معنوں میں بیگم صاحبہ کے غم خوار تھے۔
پکڑ دھکڑ کر زبردستی چند نوالے کھلا دیتے ــــ وہ تھوک تھوک دیتیں ــــ یہ موہنہ صاف
کرتے ــــ ذرا ہوش میں آئیں اور طاقت پائیں تو اٹھ اٹھ کے گلی میں بھاگتیں ــــ ایک
ایک کو پکڑ کر غور سے دیکھتیں اور پوچھتیں :

''تم حیا تو نہیں ؟''

''تم نے میری بیٹی کو تو نہیں دیکھا ــــ ؟'' محلے میں سارے لوگ ان کی بپتا سے باخبر
تھے، کوئی کچھ نہ کہتا ــــ لوگ ترس کھا کر ہٹ جاتے ــــ راستہ چھوڑ دیتے ــــ
چھمن خاں انہیں پکڑ کر گھر لاتے ــــ موہنہ دھلاتے ــــ ظہورن سے کہہ کر کپڑے بدلواتے
ــــ بیگم صاحبہ کی ایسی حالت دیکھ کر ظہورن نے اب باورچی خانے سے آگے بڑھ کر گھر
سنبھالنا بھی شروع کر دیا تھا ــــ اپنی بیگم صاحبہ کی حالت دیکھ کر وہ بھی آدھی رہ گئی
تھیں ــــ نواب بیگم ذرا حواسوں میں آتیں تو چھمن خاں اور ظہورن کو دل کی بپتا سنانے
بیٹھ جاتیں ــــ وہ حیا کی ساری تباہی کا ذمے دار خود کو سمجھتی تھیں اسی لیے اتنا کڑھ بھی
رہی تھیں ــــ کیا لڑکیاں، ان کے طبقے اور ماحول کی لڑکیاں گھروں سے نہیں بھاگ
جاتیں، تو کیا بھاگنے والی لڑکیوں کے پیچھے مائیں یونہی اپنے آپ کو تباہ کر لیا کرتی ہیں ؟
وہ سوچتیں ــــ نواب کو ساری ڈھیل میں نے دی ــــ حیا کو بنا سنوار کر، اس کے پاس
تنہائی میں نواب کو بھیجا ــــ جوان لڑکی ــــ خوب صورتی، تنہائی اور قدرتی شرم۔
ساری چیزوں نے مل کر نواب کو پاگل کر دیا اور وہ دل سے گزر گیا ــــ لوگ کوٹھوں پر
نماز پڑھنے نہیں آتے ــــ وہی کرنے آتے ہیں جو نواب نے کیا ــــ لیکن میں چاہتی
تو عین نکاح کے اگلے دن بیٹی کا ہاتھ پکڑ کر نواسی کو گود میں لے کر سارے حیدرآباد کے سامنے
ناک نیچی کر سکتی تھی ــــ لیکن یہاں بھی میری ہی خود غرضی کام آئی ــــ میں نے سوچا

گھر کی آمدنی گھر ہی میں رہ جائے گی ۔۔۔ ٹالتی گئی ۔۔۔ یہ نہ سوچا کہ بیری دن بعد دم گر گیا اس
سوہ وزیاں کو اپنے جی کا روگ بنا لے گی ۔۔۔ پہلے نواب شادی کر کے تین طلاقیں
دے دیا، یہ اس کا اپنا مقدر ہوتا جو وہ خود بھگت لیتی ۔۔۔ لیکن میں تو اس قتل میں خود کو
ملوث نہ پاتی ۔۔۔ اب تو ایسا لگتا ہے کہ یہ قتل ہے اور اس قتل کے چھینٹے میرے ہی دامن
پر ہیں ۔۔۔" پھر وہ چلا چلا کر رونے لگتیں ۔۔۔ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا اٹھا کر
دعا کرتیں، بین کرتیں ۔۔۔ اپنا مقدمہ اپنے اوپر والے کے روبرو پیش کرتیں۔

"اے مالک تو صاحبِ بصارت ہے ۔۔۔ دور بیٹھا ہے لیکن بڑا بصیر ہے ۔۔۔
دیکھ لے یہ زندگی تیری ہی دی ہوئی ہے ۔۔۔ تو قادرِ مطلق ہے ۔۔۔ سب کے نصیب
تو ہی بناتا ہے ۔۔۔ میرے نصیب بھی تو نے ہی بنائے ۔۔۔ میں اپنے نصیب کی کاتب
ہوتی تو یہ سب دربدری، یہ آلام، یہ گناہ کی زندگی کیوں لکھتی ۔۔۔ چین آرام کی سکھوں
بھری زندگی نہ چنتی ۔۔۔؟ اپنے ہاتھوں خود بننے والا رہتا تو کوئی انسان آج بدصورت ہوتا
نہ غریب ہوتا نہ بدنصیب ہوتا ۔۔۔ یہ سب تو تیرے ہاتھ کے کھیل ہیں مالک ۔۔۔ تیرے
لکھے کو ہم لوگ بھوگ رہے ہیں، تیری دنیا کے راز تو ہی جانے ۔۔۔ لیکن میرے مولا
تو جو دنیا میں بھیجنے سے پہلے ہی نصیب کا لکھا لکھ دیتا ہے تو میں گنہ گار کیسے ہوئی، یہ تو
تیرا اپنا لکھا تھا جو میں نے پورا کیا ۔۔۔ اس میں میرا اپنا قصور اور گناہ کہاں ہوا ۔۔۔
میں اندھی تھی تو نے ہاتھ میں جو لاٹھی تھما دی اسے پکڑ کر میں چلتی گئی ۔۔۔ پھر میرے سر پہ
رسوائیاں کیوں ۔۔۔ جو رسوائیاں تو نے دے بھی دیں تو یہ دل حساس کیوں دیا ۔۔۔ ساری
زندگی ہی گناہوں اور بے حسی میں گزارنے کا حوصلہ بھی دے دیا ہوتا ۔۔۔ احساسِ گناہ کیوں
دیا ۔۔۔ معافی اور توبہ کی خواہش کیوں دی ۔۔۔ اور جب دے ہی دی تو معاف کرتا
کیوں نہیں ۔۔۔ اور جو معاف نہیں کرنا چاہتا تو یہ زندگی کی سزا ختم کر دے ۔۔۔" وہ
دھاروں دھار روتیں ۔۔۔ "میں ہار گئی رے مالک ۔۔۔ ہار گئی ۔۔۔"

نواب شوکت کے محل سے جب صاحب زادے پاشا کی ولادت کے لڈو اور ناچنے گانے کا نیوتہ دینے۔ دیوان جی ـــــ خواجہ سرا اور دربان پہنچے ہیں تو زمانی بیگم کے کوٹھے پر الو بول رہے تھے ـــــ بڑی دستکیں دینے کے بعد ظہورن باہر نکلی ـــــ

"کیوں بڑی بی ـــــ زمانی بیگم کا کوٹھا یہی ہے نا ـــــ" بخشی نے پوچھا ـــــ

ظہورن کو تو آج تک زمانی بیگم کا نام ہی معلوم نہ تھا ـــــ ان کے لئے تو وہ صرف بیگم صاحبہ تھیں ـــــ بولیں:

"یا ڑنہ پوچھو ـــــ میرے کو نئیں معلوم ـــــ" پڑوس کے دروازے پر گئے ـــــ ایک بڑے میاں نکلے۔

"کیوں حضرت ـــــ زمانی بیگم یہاں پر ہی رہتے تھے نا؟" دیوان جی نے پوچھا۔

"وہ دہلی والی ـــــ"

"دہلی لکھنؤ تو ہم کو نئیں معلوم ـــــ اتنا معلوم ہے ان کی ایک بہوت ہی بہوت خوب صورت بیٹی حیا ہوتی ـــــ"

"ہاں وہی تو زمانی بیگم تھیں ـــــ مر گئیں بیچاری۔" وہ افسوس سے بولے۔

"ہائیں ـــــ ابھی سال بھر بھی تو نہیں ہوا وہ لوگاں محل پہ ناچنے گانے آئے تھے۔" بڑے میاں ذرا جز بز ہو کر بولے۔

"جناب ـــــ آپ سال بھر کی بات کرتے ہیں ـــــ آپ تو مجھے اتنا ہی یقین دلا دیں کہ اگلے لمحے تک ہی آپ زندہ رہ جائیں گے ـــــ ارے جناب یہ اس مالک کے کھیل ہیں وہی جانے ـــــ"

دیوان جی تاسف سے بولے ـــــ "لیکن ہوا کیا تھا ـــــ؟"

"جی بس ان کی صاحب زادی حیا مع اپنی شیر خوار بچی کے اچانک لاپتہ ہو گئیں بہت تلاش کروائی، کچھ پتہ نہ چلا ـــــ اسی غم میں جان سے گزر گئیں۔

"ان کے گھر کے دوسرے لوگاں — اور سازندے ؟"

"گھر کے اور لوگ تو کہیں اور جا کر بس گئے — رہے سازندے — تو ایک بڑے حضرت رہ گئے تھے بس — اتنے وفادار تھے کہ جس دن بیگم صاحبہ مری ہیں اس دن سے مارے غم اور صدمے کے زبان ہی بند ہو گئی تھی — اور بالآخر اسی غم نے انہیں بھی وہیں پہنچا دیا، جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا —" ماحول پر عجیب عبرت ناک سناٹا چھا گیا تھا —

شوکت محل میں جشنِ ولادت اپنے عروج پر تھا — ایک تو نواب شوکت نے شادی ہی عام نوابوں کے حساب سے ذرا دیر سے کی تھی۔ اس لئے اماں حضور کو اولاد ہونے نہ ہونے کی طرف سے دھڑکا لگا رہتا تھا۔ لیکن جب خدا کے فضل سے شادی ہوئی تو ابھی پانچ جمعے بھی نہ گزرے تھے — مغلانیاں بھی نہ ہوئی تھیں کہ بہو پاشا حمل سے ہوگئیں محل میں مل بیٹھنے والیاں، موہنہ پلوؤں اور آنچلوں میں چھپا چھپا کر ہنستی اور آپس میں بولتی تھیں —

"اے ماں — پہلی رات کو ایچ حمل رہ گیا ہے کی —؟"

"برابر ایسا ایچ ہوا ہوئیں گا — دلہن پاشا کے پھول آتے ہوئیں گے — شادی کی رات پڑتی سو اُنوں اُسی دن پاکی کا نہانا نہائے ہوئیں گے — پھر دوسرے دن مرد سے مل کر اُنوں بستر سے کا پانی نہاتے ہور پھو وہی اچ رات کو استقرار ہوگیا۔"

"توبہ توبہ ماں — کیا بڑے بڑے باتاں کرتے جی تمے رانڈاں — کوئی چھوکریاں سنتے تو —"

"آج کل کے چھوکریاں کو سب معلوم ہے —" دھیرے دھیرے یہ باتیں اماں حضور کے کانوں پر بھی گئیں اور جو بے اولادی کا دھڑکا اُن کے جی کو لگا تھا

اللہ نے دُور کیا ——

"آپ خوانی نخوانی فکر کرتے پاشا ——" خواصوں میں سے ایک بڑی "میرے کو معلوم ہے —— منّتی بڑی تھی —— اُنے سرکار کے کمرے میں غلطی سے ایک رات کو چلی گئی تھی تو اس کو دائی ماں کی ضرورت پڑ گئی تھی دو مہینے کے بعد —— ہو ——" اب تا اصل ماما کنیزوں کی بات کا کیا اعتبار —— لیکن جب خود بڑے پاشا کو بے ڈھنگی چال چلتے دیکھا تب اماں حضور کا دِل دِل میں آیا —— پھر خدا کی عظیم قدرت دیکھو کہ پہلی بار ہی بیٹا ہوا —— ایسی خوشی کے موقعے پر جتنا بھی بڑا جشن ہوتا کم ہی تھا —— کوئی اجنبی آنکلتا تو یہی سمجھتا کہ یہاں کوئی شادی رچی ہے —— وہ سجاوٹ تھی کہ آنکھیں خیرہ ہوئی جا رہی تھیں —— باہر یہاں سے وہاں تک شامیانے لگے ہوئے —— لانوں میں جتنے درخت پودے تھے سبھوں میں ننھے ننھے قمقمے لگا دیئے گئے تھے۔ سُرخ رنگ کے، ہرے رنگ کے —— دُور سے ایسا لگتا تھا کہ جھاڑوں اور پودوں میں پھول پتّے چمک رہے ہیں —— رنگین اور چمک دار پنّیوں کے پھول پتّے شامیانوں کی جھالروں پر لگائے گئے تھے —— اندر گدیلوں پر سفید چاندنیاں، ان پر مسندیں —— گاؤ تکیے —— ہال الگ سجا ہوا —— آج مہمانوں کا کوئی حساب نہ تھا —— گانے، ناچنے والوں کے لئے بھٹیارے الگ ایک سے پکوان پکا رہے تھے —— اندر معزز مہمانوں اور خاندان والوں کے لئے سارے محل کے باورچی جُتے ہوئے تھے —— مرائنیں زچہ گیریاں گا رہی تھیں ——

"اجی سونف مکھانے کیوں نئیں لائے" —— "اجی میں بھول گیا تھا ——" ایک میراثن دوسری کو ٹہوکا دے کر بولی۔

"آگے سونف ٹھنڈی رہتی گے۔ زچگی جاپے میں سونف نئیں سونٹھ دیتے —— سونٹھ مکھانے کا ——" دوسری نے جلدی سے ٹکڑا لگایا: "سونٹھ مکھانے کیوں

اماں نے ۔۔۔۔ اجی میں بھول گیا تھا ۔۔۔۔ اجی میں بھول گیا تھا ۔۔۔۔" یہ تو زچہ گیر لوں کی بات تھی ۔۔۔۔ لیکن دراصل آج نواب شوکت ایک بھی چیز لانا نہیں بھولے تھے ۔۔۔۔ آج وہ اس درجہ خوش تھے کہ ان کے ہونٹ مارے ہنسی کے مل نہیں پا رہے تھے ۔۔۔۔ بس موتہہ کھلا کا کھلا ہی رکھا تھا ۔۔۔۔ میوے سے لے کر زر زیور کپڑا لتا ۔۔۔۔ انہوں نے تو محل میں بازار سجا دیا تھا ۔۔۔۔ میوے ۔۔۔۔ ایسے ایسے میوے یہاں سے وہاں تک بادام کی گرگریاں ۔۔۔۔ منقے، کاجو، پستے، کشمش، خرمے، چھوارے، چرونجی، خشخاش، کھوپرے، چلغوزے، اخروٹ کے ڈھیر کے ڈھیر لگے رکھے تھے ۔۔۔۔ لونگ، الائچی، جائفل، سپاری چکنی، مکھانے، سونٹھ، جوز، جاوتری، ترملی، ایک۔ ایک میوہ اور مسالہ چنا رکھا تھا کہ بہو پاشا چالیس دن تک بتیسے کے لڈو کھائیں، جو بتیس میووں مسالوں سے مل کر تیار ہوتا تھا کہ جب چلّہ نہا کر اٹھیں تو چاق و چوبند اٹھیں کہ دوسرے بچے کا وزن ہنسی خوشی جھیل سکیں ۔۔۔۔ چھ ماہ تک یہ لڈو کھلائے جائیں گے ۔۔۔۔ صبح ہی صبح دودھ زعفران اور پسے ہوئے باداموں کے ساتھ اصلی گھی سے بگھار کر الگ پلایا جائے گا کہ بچے میں مردانہ صفات اور اوصاف جلد سے جلد پیدا ہوں ۔۔۔۔ بھئی قسمت والیوں کو پہلوٹھی کے بچے اللہ عنایت کرتا ہے ۔۔۔۔ بیٹا پہلا ہو تو باپ کا بازو بنتا ہے ۔۔۔۔ کام کاروبار سنبھالتا ہے ۔۔۔۔ زندگی کا بوجھ اٹھا لیتا ہے ۔۔۔۔ یہاں کون سے بوجھ اٹھانے تھے ۔۔۔۔ نواب شوکت خود کون سے بوجھ ڈھوتے آتے تھے ۔۔۔۔ لیکن بیٹے کا باپ بننا ہی کچھ اور ہوتا ہے ۔۔۔۔ ایک غرور سا، نشہ سا رگ و پے میں بھر جاتا ہے۔

دادی الگ پھولوں نہیں سما رہی تھیں ۔۔۔۔ رہ رہ کر بہو بیگم اور پوتے پر واری بلہاری جا رہی تھیں ۔۔۔۔ دلہن پاشا نئے سرے سے دلہن بنی بیٹھی تھیں ۔۔۔۔ ایسا سنگھار تھا کہ دلہنوں کو شرم آ جائے ۔۔۔۔ وہ نور اترا تھا کہ چاند بدلی میں چھپا چھپا جائے ۔۔۔۔ سچ ہے عورت پر تین بار ہی تو نور اترتا ہے ۔۔۔۔ شادی کے دن ۔۔۔۔ ماں بننے کے

دلن اور سہاگن مرے تو موت کے دن ——

یہ مال سپنے کا نور تھا، جو دن گزرنے پر بڑھتا ہی جاتا ہے —— اور آج تو دس ہی دن ہوئے تھے —— ابھی تو چہرے کو چودھویں کا چاند بنتا تھا۔ پھر بھی جو دیکھتا، دیکھتا ہی رہ جاتا —— مردانے سے لے کر زنانے تک ایک ایسی رونق لگی ہوئی تھی کہ دیکھنے سے جی نہ بھرتا —— اپنے چاندی کے چھپرکھٹ پر دلہن پاشا آدھی لیٹی، آدھی بیٹھی، سارے ہنگاموں سے لطف اندوز ہو رہی تھیں —— پاس بیٹھی سسرالی، رشتے دار شوخ لڑکیوں کی باتیں مزے لے لے کر سن رہی تھیں —— اسی دم باہر سے ساز چھنکنے کی آوازیں آنے لگیں۔

"اے بے اب تو گانا ناچنا ہوئیں گا —— چلو چلمنوں کے پیچھے سے تماشا دیکھیں گے —— لڑکیوں میں شور مچا ——

"او نہہ چلمنوں کے پیچھے سے کائے کو —— دروازوں کے پاس سے جھانکیں گے جی —— اتنے لوگاں میں کون کس کو دیکھنے چلا ——" اپنا آپ نمایاں کرنے کی ادا عورت ذات میں جانے کتنی پرانی ہے ——

"ایسے جوتے پڑیں گے —— امی حضور کی ڈانٹ معلوم نئیں کیا ——؟"

"ڈانٹنے دیو —— روز روز ایسے موقعے تھوڑی آتے —— پھر کتے خوب صورت خوب صورت ناچنے گانے والیاں ہیں —— ایا!" کوئی سینہ تھام کر بولی۔

"ائی چپلو ماں —— کوئی خوب صورت نہیں اتے —— میں غور سے دیکھی۔ اجاڑ کیا کیا تو بھی مونہہ پر تھوپ تھوپ کر آتیاں ہورا تا زرزیور پہنے تو نئیں لگتا کیا واہ انسان بھی خوب صورت لگتا ——"

"بے فضول کے باتاں کرو نکو —— وہ حیا آ ماں (طوائف) کیسی خوبصورت تھی ایا —— میں سچی بولیتوں اُس کے مونہہ پر نظر نئیں ٹھیرتی تھی —— کیا چاند

سورج کے ویسا چہرہ تھا ——"

"وہ اس واسطے تھوڑی خوب صورت لگتی تھی کی اُنے زر زیور ہزار سنگھار بہوت کرتی تھی —— آگے وہ تو بات ایچ کچھ اور تھی —— ایک لانڈاری سے بولی -

"کیا بات تھی ——" دوسری دو چار نے تجسس سے پوچھا۔

"آگے وہ نواب صاحب کو چاہتی ہوئیں گی" پہلی والی نے فیصلہ سنا دیا -

"چل کے پاگل کدھر کی —— تیرے کو معلوم بھی پڑ گیا جیسا ——"

"پھر کیا عورت کی نظر چھپتی نئیں ——"

"مرد کی بھی کہاں چھپتی ——"

"ہو —— وہ تو ہی ایچ —— یاد نئیں کیا نواب صاحب بھی اُس کو کیا دیکھ رہے تھے —— ایا —— کیسے نظراں تھے کی بس ——"

"آج آئیں گی تو مزہ آئیں گا نا ——"

"آج وہ نئیں آئیں گی ——"

"کائے کو —— ؟" بہت ساری آوازوں نے بیک وقت افسوس اور تجسس سے پوچھا ——

"وہ بلدہ چھوڑ کو چلی گئی بولتے ——"

"بلدہ (حیدرآباد) چھوڑ کر ایچ چلی گئی —— ؟ مگر کیوں —— ؟"

"اللہ معلوم —— باہر دو چار لوگاں بات کر رہے تھے ، کلا بوبان لے کر گئی تھی ٹیوشن کرائی —— وہی ایچ میرے کو بولی ——"

"اُنے ہوتی تو بہوت اچھا رہتا تھا نا —— کتا اچھا گانا گاتی تھی نا ——"

جن کے محلوں میں ہزاروں رنگ کے فانوس تھے
جھاڑ ان کی خبر پہ ہے اور نشاں کچھ بھی نئیں

دُلہن پاشا نے ہولا کر اپنے سر پر جگمگاتے فانوس کو دیکھا ـــــ اپنے اطراف بکھرے ہوئے رنگ و نور کے سیلاب کو دیکھا ـــــ بڑے اطمینان سے سوتے اپنے ننھے منے بچے کو دیکھا، ان کا دِل دہل گیا ـــــ چاندی کے چھپر کھٹ پر بیٹھے بیٹھے ان کا وجود ہل گیا ـــــ دھیرے سے اپنی خلیری نند کو پکارا ـــــ

"شرف زماں ـــــ" شرفو لپک کر آئی۔

"جی بھابی پاشا ـــــ"

"بی بی ذرا اپنے بھائی پاشا کو بُلا کر لاتے ـــــ"

"ابھی لاتیوں بھابی پاشا ـــــ" اور وہ اپنا کرن ٹنکا ہرا دوپٹہ سر پر جماتی تیزی سے مردانے کی طرف لپکی ـــــ

خواجہ سرا زنانے سے نیوتہ لے کر مردانے میں پہنچے ـــــ شوکت نواب دوست احباب و مصاحب اور ملنے جلنے والوں میں گھرے بیٹھے تھے۔ پانوں کے دوَر چل رہے تھے ابھی ناچنے والیوں نے گھنگرو نہیں باندھے تھے ـــــ تال دینے والیوں نے چوڑیاں پیچھے کھسکا کر آستینیں نہیں اُلٹائی تھیں ـــــ سازوں کو ٹھنگانا شروع ہو چکا تھا ـــــ ڈھولکیوں کے گردوڑے کَسے جا رہے تھے ـــــ طبلوں کی ڈگیاں اور گٹیاں ٹھونکی جا رہی تھیں ـــــ ڈگیوں کو تھپ تھپا کر ـــــ اور گٹیوں کو نیچے اوپر سرکا کر طبلوں کو سُر کیا جا رہا تھا ـــــ ہارمونیم بجانے والے پردوں کو اپنے کلیجے سے دور، پرے کر کے اپنے فن کو آزما رہے تھے ـــــ ڈھول، تاشے سارنگی، دَف گھنگرو ـــــ ماحول گونج رہا تھا ـــــ جگمگا رہا تھا ـــــ ایسے رنگین ماحول سے اُٹھ کر جانا نواب شوکت کو کھَل گیا۔ لیکن بلاوا دُلہن پاشا کا تھا ـــــ جنہوں نے اس ہنگامے کو جنم دیا تھا ـــــ ایک بیٹے کی ماں کا بلاوا ـــــ وہ جھومتے ہوئے اُٹھے ـــــ اپنے وزن کو سنبھالنے میں، بیٹھے سے کھڑے ہونے میں، خون ان کے تر و تازہ چہرے پر چھلک چھلک اُٹھا ـــــ قدم قدم پر سینکڑوں نگاہیں

اُن کے سراپے پہ فدا ہونے لگیں ـــــ
دُلہن پاشا تک پہنچے تو چہرہ مَردانے سے زنانے تک کا لمبا جگمگاتا فاصلہ طے کرنے میں ہلکے ہلکے پسینے سے چمک اُٹھا تھا ـــــ اتنا خوبرو مرد ہو تو کسی اماّں کا کیا ہے، سات پردوں میں رہنے والی بھی جی ہار سکتی ہے ـــــ دُلہن پاشا نے بڑے انداز سے پوچھا:
"میرے بلانے پر غصّہ تو نہیں آیا آپ کو ـــــ"، وہ خوش دلی سے ہنسے۔
"آپ تو زندے کو بلاتے ـــــ مرے کو بھی بلاتے تو ہم خیر سے اُٹھ کر آجاتے"
"اللہ مَر جاؤں ـــــ"، دُلہن پاشا گالوں کو چھلتے اور انگوٹھیوں بھری اُنگلیوں سے چوٹے ہوئے مارتی ہوئی بولیں۔ کیسی بُری زبان نکالے جی آپ ـــــ اللہ نہ کرے کی آپ چھاؤں کو بھی کچھ دھکا لگو ـــــ" وہ زور سے ہنسے۔
"اچھا یہ تو بتایئے کہ یہ بے وقت یاد کیسے کئے آپ ـــــ"، بھولی بھالی بیگم نے دل کے دُبدے کو چھُپائے بغیر صاف سیدھے انداز میں پوچھا۔
"آپ خود تو حیا اماّں کا گانا شوق سے سُننے مگر ہم کو کبھی نہیں سُناتے ـــــ"
نواب شوکت نے دماغ پر زور ڈالا ـــــ کچھ دیر ماتھے پر اُنگلی ٹکا کے سوچتے رہے، پھر بولے:
"حیا ـــــ؟ حیا کون ـــــ؟"
دُلہن پاشا کے دِل کو قرار آگیا ـــــ نواب صاحب کے چہرے پہ بناوٹ کا نام نشان تک نہ تھا ـــــ جو مرد ماضی میں برتی ہوئی عورتوں کو اس آسانی سے بھول جاتے ہیں کہ ماتھے پر اُنگلی ٹکا کر دیر تک سوچنے پر بھی یادوں کے اُفق پہ کوئی چاند نہ جگمگائے وہ بڑے اچھے شوہر ثابت ہوتے ہیں ـــــ وہ مُسکرا کر بولیں:
"آپ کو ابھی تک یاد نہیں آیا ـــــ؟"
اس بار انہوں نے "آہا ہا ـــــ اچھا ـــــ وہ" کہہ کر بڑے خلوص سے

اعتراف کیا ——، ہاں یاد آ گیا —— ایک بار یہاں محل میں آئی تھی —— ہم ہی بلوائے تھے —— سچی بہوت ہی اچھی آمائن تھی —— ناچتی بھی خوب تھی —— گاتی بھی خوب تھی —— وہ اطمینان سے چاندی کے چھپر کھٹ پر ٹک گئے —— جُوتے سمیت پاؤں اٹھا کر اوپر ہی رکھ لئے اور مزے مزے سے سُننے لگے ——

"اصل میں اس کی ماں جو تھی نا، وہ ناچنے گانے کے او ر بجانے کے فن سے بھی بہت اچھی واقفیت رکھتی تھی —— ان ماں بیٹی کے ساز ندے بھی خوب تھے —— ان لوگوں کا طریقہ کیا تھا معلوم —— ان کے اُستاد طبلے کے بڑے اچھے اُستاد تھے —— ناچنے سے پہلے اُنوں کوئی بھی ایک تال خوب دیر تک بجاتے تھے —— اب ہم تو اتنی باریکی سے نہیں سمجھ سکتے نا —— کسی کو وہ جھپ تال بولتے تھے —— کسی کو تال دادرُ —— اور بھی اللہ معلوم کیا کیا —— پھر جب سُننے والے دھا دھا اور تن تن اور بھی نئیں معلوم کیا سُن کر مست ہو جاتے تھے تو وہ بہت سارے سا تال بجا بجا کر اپنی بیٹی کو —— ہمارا مطلب ہے وہ ماں اپنی بیٹی کو نچانے کو کھڑا کر دیتی تھی —— آپ پوچھو نا یہ سب لڑکیاں دیکھے ہوئیں گے ضرور ——" انہوں نے پاس، دُور کھڑی لڑکیوں کی طرف اشارہ کر کے بڑے خلوص سے کہا

"ہور وہ گانا بھی بہت اچھا گاتی تھی —— ؟"

"گانا تو گانا —— آواز اتنی اچھی تھی کی ہم کو مثال یا تشبیہہ بھی نہیں سوجھتی —— سچّی اس معاملے میں تو آپ بدنصیب ہیں ——" وہ چھپر کھٹ پہ رکھے خاصدان میں سے ایک سونے کے ورق میں مڑھی گلوری موہنہ میں ڈال کر تکیے کے گال کو اُنگلی سے چھونے اور بجنے لگے —— مرد اگر کسی عورت کے ذکر پہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگے، آنکھیں جھپکانے لگے —— ذکر سے کترانے لگے یا جان بوجھ کر اس موضوع سے دُور بھاگنے لگے تو سمجھو کہ پانی مرتا ہے —— اور یہی چیز خطرے کی علامت ہے لیکن جب کوئی مرد کسی غیر عورت

کے بارے میں بڑے کھلے دل سے بات کرے تو سمجھو کہ واقعی اس کا دل کھلا ہے، اس میں کچھ بھی نہیں ـــــ کم سے کم اس عورت کے متعلق تو کچھ بھی نہیں جس کی بات اس وقت چل رہی ہے ـــــ

"کیوں میں کاہے کو بدنصیب ہوں ـــــ" وہ مسکرا کر انہیں دیکھنے لگیں۔

"اب یہ بدنصیبی نہیں تو اور کیا ہے کہ آپ اتنی اچھی ناچنے والی کا ناچ دیکھنے سے گانے والی کا گانا سننے ـــــ"

"تو اب سنوا دیجئے نا ـــــ"

"اب ـــــ؟" وہ 'اب' کو لمبا کر کے بولے: "ارے بابا وہ تو کدھر مر کھپ گئی خدا معلوم ـــــ" اور ایسا کہتے ہوتے وہ ذرہ بھر بھی اداس نہ تھے نہ غم زدہ ـــــ اپنے بچے اور بیوی کے پاس بیٹھے وہ دنیا کے سب سے مطمئن اور مسرور شخص لگ رہے تھے دلہن پاشا کا دل ہر وسوسے سے پاک ہو گیا ـــــ لاڈ سے مسکرا کر بولیں:

"آئی واہ ـــــ سلیم شاہی جوتے ہیں تو کیا خدائی تحفہ ہو گئے کہ میرے ریشمی بستر پر اتنے سے چڑھ گئے آپ ـــــ ہور اب باہر جائیے نا ـــــ ایک بات پوچھنے کو بلائی تو یہیں جم کر بیٹھ گئے، باہر گانا شروع ہونے والا ہوئیں گا ـــــ لوگاں کیا سوچیں گے ـــــ"

"لوگاں کیا سوچیں گے، وہ تو لوگاں سوچیں ـــــ" وہ دلہن پاشا کے دس دن کے دودھ سے بوجھل سینے کو للچائی نظر سے دیکھتے ہوئے بولے: "ہم آپ کو بتانا کیا کی ہم کیا سوچ رہیں ـــــ؟" دلہن پاشا شرم، خوشی اور محبت سے سرخ ہو کر دل ہی دل میں سوچنے لگیں۔

"موئی ـــــ یہ لونڈیاں بھی ایک نمبر کے لپاٹیاں ہیں چپ دل سے کچھ بھی لگا دیتیاں ـــــ جی میں 'انوں' کا دل اٹکا وا رہتا تھا تو انوں میرے پر ایسا لہلوٹ ہوتے کیسے کیا ـــــ؟"

اور حقیقت بھی یہی تھی کہ نواب شوکت ایک چھوڑ کئی جانوں سے اپنی دُلہن پر فدا تھے ——— دیکھنے میں یہی آیا ہے کہ اِدھر اُدھر مونہہ مارنے والے جب گھر بار کے ہوئے تو بیوی ہی کے ہو کر رہ گئے ——— شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ ہر طرف کے، ہر طرح کے مزے چکھ لینے کے بعد دل بھر سا جاتا ہے اور پھر شادی ہو جائے تو ایک بیوی سے مطمئن ہو جاتے ہیں ——— اور بڑے شریف پارسا جو کسی لڑکی کی طرف نظر بھی نہیں اُٹھاتے ہوں شرافت کے ایسے دعوے دار ہوں؛ وہ شادی کے بعد خوب کھل کھیلتے ہیں ——— شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ عورت جیسے لذیذ پھل کا ذائقہ پہلے تو کبھی چکھا نہیں ہوتا ——— بعد میں یہ افسوس اور پچھتاوا آتا ہو کہ "ارے واہ ایسے مزے سے یونہی محروم رہے ———" اور یوں اِدھر اُدھر تڑپنا پھڑکنا شروع ———

تو نواب شوکت اتنے دِنوں کنوارے رہے تھے، یونہی نہیں رہے تھے، اکو ایک کلی سونگھی، ایکو ایک کچا، پکا، اَدھ پکا پھل چکھا اور جب خوب مزے باغِ زندگی کے لوٹ لئے تو چلو ماں کو خوش کرنے اور نسل چلانے شادی بھی کر ہی لو ——— سو کر لی ——— اور اللہ نے نسل چلانے کا انتظام بھی کر ہی دیا ——— پہلا ہی بیٹا دیا۔ ساس کی نظروں میں بھی بہو قابلِ عزت ٹھیریں کہ سال نہیں گزرا اور دادی بنا دیا ——— اور دادی بھی پوتی کی نہیں پوتے کی ——— اور شوہر تو بیٹے کے باپ بنا دیئے جانے پر دُلہن کے قدموں تلے قالین بن کر بچھ گئے ———

لیکن یہ بھی اللہ کی شان کہو کہ پہلا تو بیٹا دے دیا کہ بہو پاشا کی للّو تھو ہو جائے خوب قدر عزت چاہت کی مستحق ہو جائیں، اس کے بعد تو وہ بیٹیوں کی برسات ہوئی کہ بس ——— تجربے والیوں نے تو یہ بات پہلے بیٹے کے نام رکھائی کے موقع پر ہی کہہ دی تھی ——— جب بہو پاشا گود میں بیٹے کو لے کر بیٹھیں تو بچے کے سرہانے کی طرف بڑی بلیج بیٹھی ہوئی تھیں ——— دھیرے سے بولیں :

"اَئی چھوٹے نواب کے سر میں تو ایک ہی بھنورا ہے ——" انہوں نے ننھے سے بالوں بھرے سر میں اُنگلی گھماتے ہوتے دوسرا بھنورا ڈھونڈنے کی ناکام کوشش کرتے ہوتے کہا : "ایک بھنورا ہے تو اگلی بیٹی ہوتی یہ لیتے ——"

دوسری تائی بی تھیں جو وثوق سے بولیں : "ہو برابر بات ہے —— ہم زندگی بھر سے دیکھتے آئیں ——"

تیسری چچی بیگم تھیں جو مُسکرا کر بولیں : "کتنی مبارک بات ہے نا —— بیٹی آئی تو آنگن میں رسیوں پر رنگین کپڑے سُوکھتے ہوئے دِکھتے —— گھر میں بہار آجاتی ——"

دُلہن پاشا کے مونہہ پر بھی بہار سی آگئی —— پہلے بیٹے کے بعد بیٹی ہوجائے تو عورت پن کے سارے ارمان پورے ہوجاتے ہیں —— بعد میں خدا جو بھی چاہے دیتا رہے —— سو خدا نے یہ چاہا کہ بیٹیاں دیتا رہے ——

دادی ماں نے ارمانوں سے پوتے کا نام سطوت رکھا —— بولیں : "وہ اُسنے خود بھی سر بلند ہو۔ ہورا اللہ کرو باپ دادا کا نام بھی اونچا کرو —— سو سرفراز بھی اچھا نام ہے ہور ساتھ میں سرفراز کے لیداس کے دادا حضرت کا نام لگا دیو ——" مارے شرم کے انھوں نے سطوت نام نہیں لیا کہ شریف بیبیاں مرتی مَرجاتی ہیں —— لیکن اپنی زبان سے کبھی شوہر کا نام نہیں لیا کرتیں —— لیکن دادی کے کہنے پر نام سرفراز ہی رکھا گیا —— اور شاید یہ سرفرازی اسی ایک دم کے نصیب میں خدا نے دی کہ نسل چلے تو اسی سے چراغ جلے تو اسی سے اور بڑھاپے میں مونہہ میں پانی دیوانے ——

نواب سرفراز پاؤں پاؤں چلے بھی نہیں ہوئے کہ دُلہن پاشا پھر اُبکائیوں اور اُلٹیوں پر پڑ گئیں۔ دُودھ بڑھانا پڑا۔ ننھے سے نواب کی گھٹی میں لڑکیاں پڑ گئیں ماں تو ویسے بھی نواب کی بیٹی، نواب کی بہو، نواب بیگم تھیں —— پان کا ٹرسٹ بھی کبھی توڑ کرنے دیا —— بچے تو کیا سنبھالتیں کہ ایک ایک کام پر دس دس خواصیں تھیں —— ہاں دُودھ پلانے

بھر کی ضرور بنا دادیتھیں —— لیکن اب جو دودھ چھٹا تو ماں کا ساتھ بھی چھٹا اور بجائے بڑی عورتوں اور خواصوں کے ننھی منی چھوکریوں کی گودوں میں پلنے لگے —— اس کی گود سے اس کی گود میں —— اس کی گود سے اس کی گود میں ——

نواب سرفراز چھوٹے پاشا کے نام سے نوازے گئے —— ہر چند کہ دادی حضور بولتیں —— "آگے اجاڑ مارو آئے، سب سے بڑا ہے۔ اس کو بڑے پاشا بولنا ——" لیکن کوئی کان نہ دیتا اور وہ چھوٹے پاشا ہی رہے —— چھوٹے پاشا بھائی بن گئے —— ننھی سی بہن ماں کی گود میں آئیں اور ماں کی خوشیاں مکمل ہو گئیں —— چھوٹے پاشا کا لاڈ دلار ابھی بھی کرتیں —— پہلی اولاد —— پہلی محبت، اور وہ بھی بیٹا۔ کیسے بھلا دیتیں —— لیکن ننھی منی گڑیا گود میں آئی تو جیسے ساری توجہ کھینچ لی —— اور ویسے بھی نیا پیدا ہونے والا بچہ، ماں کو اپنے لئے وقف کرا لیتا ہے۔

محل میں عورتوں اور لڑکیوں کا ہی راج رہتا، لڑکے پالے تھے لیکن گنتی کے —— محل میں زنانے حصے میں مرد نوکروں کا آنا جانا کم ہی کم تھا —— کام پڑتا تو کچھ دیر کو اندر آتے پھر باہر کے باہر —— ہاں تو کرائنوں کی دھکم پیل تھی —— چھوٹے پاشا کے آگے یہاں وہاں چھوکریاں ہی چھوکریاں —— ننھے سے مونہہ سے پہلے پہل بات کرنی سیکھی تو بالکل چھوکریوں کے انداز میں بچہ ماحول ہی سے تو سیکھتا ہے —— ان کے کانوں میں آتیوں - جاتیوں - کھاتیوں - مرتیوں - آتی - جاتی - سوتی ایسے ہی الفاظ پڑتے رہتے تھے —— اور کم بخت ماری چھوکریاں مارے محبت کے خود بھی انہیں بجائے لڑکے کے، لڑکی کی طرح مخاطب کرتی تھیں —— حشمت گود میں اٹھا کر پوچھتی :

"میرے کلیجے کی ٹکڑی ابے نا گے یہ —— دودھ پیتی ——؟"

دھنّو ادھر سے بولتی : "تو باغ میں گھومنے چلتی ——؟"

گلشن لپٹا لپٹا کے پیار کرتی اور پوچھتی : "تو کھانا کھاتی ——؟" سُلانے سے

پہلے خوب محبت کے دورے ان چھپکریوں کو پڑتے ——

"سوجانا وہ تو —— سوجاتی —— ؟ پھر کب اٹھیں گی تو —— چل سوجا —— پھر صبح اٹھیں گی تو اپن کھیلیں گے تو کھیلیں گی نا میرے ساتھ ۔"

ننھے گھٹتے ہونٹوں اور زبان سے پہلے پہل بول نکلے تو دادی —— ماں —— باپ خوشی سے بے حال ہو گئے —— ہنسی رکتی روکی نہ تھی —— چھوٹے پاشا کو کھانے کا کہا جاتا تو بولے ۔

"نہیں کھاتی میں ——"

"دودھ پی لیو چھوٹے پاشا ——"

تو وہ غصے سے بولتے —— "نہیں پیتی میں ——"

پھر یکے بعد دیگرے بہنیں دنیا میں آنی شروع ہوئیں —— پانچ بہنوں سے آنگن ایسا رنگین ہوا کہ سوائے ہرے، نیلے، پیلے، لال، اودے کپڑوں کے آنچلوں اور دوپٹوں پر کچھ دکھائی ہی نہ دینے لگا —— بہنیں تو تھیں ہی لڑکیوں کی جون میں —— وہ اپنے طور پر بات کرتیں تو بھائی ادا اور بھی وہی انداز سیکھتے جاتے ۔

پہلے بیٹے تھے —— پہلوٹھی کی اولاد ویسے بھی نیم چڑھی ہوتی ہے اور یہ تو پانچ بہنوں کے اکلوتے بھائی تھے —— کسی بات پہ روکا ٹوکا نہ گیا —— جی بھر کے لاڈ میں سڑائے گئے —— اچھے خاصے بڑے بھی ہو گئے لیکن بات چیت میں وہی زنانہ پن —— کبھی کبھار باپ الجھ کر بولتے بھی ——

"بیٹے آپ کیا عورت بچی کے دلیا آتیوں جاتیوں کر لیتے ——" حالانکہ وہ بیٹے کے ہر انداز پر فدا تھے —— تو دادی یا ماں بیچ میں پڑ کر فوراً بات کاٹ دیتیں ۔

"ابھی عمر ہی کیا ہے —— وقت پہ سب باتاں سیکھ لیں گا ——" لیکن وہ وقت کبھی نہ آیا —— مولوی صاحب پڑھانے کے لئے مقرر کئے گئے وہ بول بتا کر ہار

گئے ——— یہ مان کر نہ دیتے ——— وہ چڑ چڑ جاتے ———

"تو اب صاحب آپ بچے ہیں ——— مرد بنیے ——— آپ عورتوں کے ویسی بات نہ کرو ———" وہاں اتنی عقل اور تمیز ہی باقی نہ رہی تھی کہ عورت اور مرد کا فرق سمجھ سکتے ——— ذرا بڑے ہوتے گئے اور مدرسہ "تحتانیہ" میں داخل کئے گئے تو خود کا بھی چھٹ پن تھا اور دوسرے بچوں کا بھی ——— معاملہ چل گیا ——— وہاں سے بڑھ کر "وسطانیہ" میں گئے تو ساتھ کے لڑکوں نے ذرا ہنسی اڑانی شروع کی، لیکن روپے اور امارت کے زور پر معاملہ دبا گیا ——— لیکن اصل مصیبت اس وقت آئی جب سب نچلے درجوں سے نپٹ کر "مدرسہ فوقانیہ" میں داخل کئے گئے ——— یہاں ایک دنیا ہی دوسری تھی ——— غریب، امیر ملکہ رؤسا و شرفا کے لڑکے اسکول میں پڑھتے تھے ——— یہاں کون ان کی امارت سے دبنے چلا تھا ——— اچھی خاصی عمر ہو گئی تھی، روز روتے ہوئے گھر کو آتے ——— ساتھ میں خادم جاتا تھا، کھانے کی چھٹی کے وقت تو وہ لڑکوں کو ڈھیلے، پتھر کھینچ کھینچ کر مارتا رہتا، لیکن کلاس کے اندر لڑکے ستانے سے باز نہ آتے۔ مولوی صاحبان، جناب صاحبان (اساتذہ) سوال کرتے۔

"سرفراز ——— تم کو کیا معلوم ہے کی دنیا گول ہے؟"

یہ بڑی سادگی سے جواب دیتے: "میں آج سبق یاد نہیں کری ———" جناب کے روکنے منع کرتے پر بھی کلاس روم میں ہنسی کا طوفان اٹھ کھڑا ہوتا ——— کلاس ختم ہوتے ہی لڑکے شروع ہو جاتے۔

"اے اے تو کل اسکول آئیں گی کی نہیں ———"

"تو گھر کو شکرام میں جاری کی پیدل جاری ———"

"آج یاد نہیں کری تھی کل سبق یاد کرکے آئیں گی کی نہیں ———"

ہوتے ہوتے یہ ہوا کہ سرفراز نواب گھر کے، محل کے ہی ہو کر رہ گئے بس ———

مدرسے جانا چھوڑ دیا —— محل ہی میں مولوی صاحبان مقرر کر دیئے گئے —— حساب، جغرافیہ، تاریخ، اردو انگریزی —— سب کے الگ الگ مولوی صاحبان —— قرآن شریف پڑھانے والے مولوی صاحب تو خیر محل ہی سے متصل مسجد میں ہمیشہ سے رہتے چلے آتے تھے جو محل کے اور بھی سبھی بچوں کو دینی تعلیم دیا کرتے تھے۔

نواب شوکت کو پہلے پہل جب پتہ چلا کہ صاحبزادے مدرسہ چھوڑ چھاڑ محل میں ہی پڑھائی حاصل کر رہے ہیں تو وہ بہت بھنّائے —— ماں سے اُلجھے —— بیوی پر چڑھے لیکن وہاں کسی نے انھیں کچھ گِنا ہی نہیں —— دادی حضور نے تو صاف کہہ دیا: "اُجاڑ ہم کو کوئی نوکری کروانے کی ہے بچے کو —— اِتی سر کی جان پر لیسی ہاپ میرے کو نکو —— مرد بچہ پڑھا سو پڑھا، نئیں پڑھا، سو نئیں پڑھا ——"

دُلہن پاشا بولیں: "باپ سے تو زیادہ ایچ پڑھ گیا ہے —— اب کتا پڑھنا ہونا؟"

شوکت نواب، ان کی بات پہ بجائے غصہ ہونے یا پڑنے کے مسکرا دیتے۔

یہ حقیقت بھی تھی کہ سرفراز ان سے زیادہ تعلیم حاصل کر چکے تھے —— صرف ایک اندازِ گفتگو نسوانی تھا —— ویسے اچھے خاصے ہاتھ پاؤں نکالے تھے بیٹے نے —— وہ تو مارے ڈر کے کہ کہیں نظر نہ لگ جائے بیٹے کو، نگاہ بھر کر دیکھتے بھی نہ تھے —— بڑے سے ہال میں جہاں خاندانی پرانی پرانی تصویریں لگی ہوئی تھیں، ان کی اپنی نو عمری کی جو تصاویر تھیں، عین مین سرفراز انہی کی شبیہ تھے —— وہی قد و قامت —— وہی چہرہ مہرہ —— وہی بال —— وہی ناک کان —— دیکھنے والے بھی کہتے تھے: "بالکل شوکت نواب کو لڑکپن دیکھ لو ——"

مائیں لڑکوں کی —— بیٹوں کی دیوانی ہوتی ہیں اور باپ بیٹیوں پر جان دیتے ہیں۔ یہ ساری دنیا میں ہوتا ہے —— لیکن یہاں ماں تو فدا تھیں ہی —— خود نواب شوکت بھی بیٹے کے دیوانے تھے —— حالانکہ وہ اپنے کسی انداز سے ظاہر نہیں ہونے دیت

تھے۔ لیکن ان کی ہر ہر سانس میں وہی وہ سمائے ہوئے تھے ۔۔۔ پہلے پہل تو انہیں بس ایسی ہی محبت تھی جیسے ایک باپ کو اپنی کسی بھی اولاد سے ہونی چاہیئے ۔۔۔ لیکن یکے بعد دیگرے جب بیٹیوں نے گھر ہی دیکھ لیا تو آپ ہی آپ بیٹے سے ان کی محبت بڑھتی چلی گئی ۔۔ پانچ بیٹیوں کے بعد اولاد کی پیدائش کا سلسلہ خدا کی طرف سے خود ہی بند ہو گیا اور نواب سرفراز اکلوتے ولی عہد ثابت ہو گئے تو نواب شوکت بس انہیں دیکھ دیکھ کر جینے لگے۔

مارے محبت کے کسی بات پر روک ٹوک نہ کی ۔۔۔ نہ اچھے پر، نہ برے پر ۔۔۔ ان کے زنانی نسوانی انداز گفتگو پر بھی نہیں ۔۔۔ اسکول چھوڑ دیا اس پر بھی کچھ دل سے خفا نہ ہوئے ۔۔۔ اندر والا دِل ہی اُن کی کسی بات پر غصہ نہیں کرنے دیتا تھا ۔۔۔ لیکن اب جیسے جیسے سرفراز نواب بڑے ہوتے جا رہے تھے ۔۔۔ باپ کی بے پناہ محبت میں ایک فکر بھی شامل ہوتی جا رہی تھی ۔۔۔ پہلے تو انہیں سرفراز کا اندازِ گفتگو ہی نسوانی لگتا تھا، لیکن اِدھر کچھ دنوں سے وہ یہ محسوس کر رہے تھے کہ ان کے سبھی انداز نسوانی ہیں ۔۔۔ بات کرتے میں لڑکیوں کی طرح نیچے دیکھنا ۔۔۔ کسی بھی بات پر شرما جانا ۔۔۔ مردانے میں مرد مہمانوں کی موجودگی میں شرمانا جھجکنا ۔۔۔ اس کے برخلاف چھوکریوں لڑکیوں اور کام کرنے والی خواصوں میں بہت اطمینان اور دل جمعی سے اٹھنا بیٹھنا ۔۔۔ مگر بے تکلفی ان سے بھی نہیں ۔۔۔

"کہیں ۔۔۔ کہیں ۔۔۔" وہ ڈر کر سوچتے اور اپنے خیال کو خود ہی جھٹکتے۔ "کہیں صاحب زادے نام کے تو مرد نہیں ہیں ۔۔۔؟ اگر خدانخواستہ ایسا ہوا تو پھر ہماری زندگی میں کیا رہ جائیں گا ۔۔۔ نہیں مولیٰ نہیں تو اتنا ظلم نہیں کر سکتا ۔۔۔"

اور اس دِن اپنی خواب گاہ میں لیٹے لیٹے انہوں نے دوسرے کمرے سے آتے زنانی آوازوں کو سُنا تو وہ دہل کر رہ گئے ۔۔۔ غالباً اُلفت اور چنیّ ہی باتیں کر رہی تھیں ۔۔۔ اُلفت محل کی سب سے حسین اور طرح دار چھوکری تھی ۔۔۔ نواب شوکت عمر کے ا۔۔ رہے

تو گزر گئے تھے جب نظر اِدھر اُدھر بھٹکتی ہے لیکن اُلفت کو دیکھ کر وہ سوچتے تھے کہ وہ دور تو بے شک گزر گیا لیکن اُلفت تو ابھی وہیں کھڑی ہے ——— اور وہ کہیں یہ موقعہ نہ آنے دیتے تھے کہ اُلفت کے قریب سے بھی گزر جائیں گے ——— قیامت کا کسی کو علم نہیں۔ کبھی بھی آسکتی ہے ———

چنو بی بھی اُلفت ہی کی عمر کی تھی ——— جان بھی تھی، لیکن بس چنو بی تھیں ——— یہ عجیب بات ہے پاکیزہ نفس سے پاکیزہ عورت بھی، کتنے ہی نیک خیالات رکھنے والی عورت بھی دل کے کسی نہ کسی گوشے میں خود نمائی اور مرد کو اپنی طرف مائل کرنے والے جذبے کی غلام اور خواہش مند ضرور ہوتی ہے ——— مرد کو اپنی طرف متوجہ کر کے اس کو اپنی طرف دیکھتا پا کے عورت کی کسی ایسی حس کو ضرور تسکین ملتی ہے جو اُسے اپنی ہی نظروں میں مغرور بنا دیتی ہے ——— شاید آدم بعد میں پیدا ہوتے ہوتے تو عورت میں یہ جذبہ نہ ہوتا، لیکن جب وہ آدم کی پسلی سے باہر آئی اور خوابیدہ آنکھوں کو ملتے ہوئے ایک شخص کو دیکھا تو دُنیا میں پہلی بار پہلی عورت، حوا کے دل میں خواہش جاگی ہو گی کہ یہ شخص جو بھی ہے مجھے دیکھے۔ حالانکہ اس وقت آئینہ وجود میں نہیں آیا ہو گا کہ حوا اپنا جان لیوا حُسن دیکھ بھی سکتی ——— لیکن آدم نے جن گرسنہ نگاہوں سے اسے دیکھا ہو گا، روزِ ازل سے وہ پیاس، دیکھنے کی پیاس، تشنگی مرد کا مقدر بنی اور دیکھے جانے کی پیاس، عورت اپنے آپ کو دکھوانے کی پیاس عورت کی انا بنی ——— اور اس وقت وہی عورت، وہی حوا اپنی اسی انا کے ٹوٹ جانے پر ناگن سی پھن پھنا رہی تھی۔

"پھر کیا ہوا؟" چنو بی پوچھ رہی تھی "اُنوں بڑی بے فکری سے بول دیئے۔ میں یہاں پڑھتی بیٹھی ہوں، اب اٹھ کو نئیں جاتی ——— تو یہیں کپڑے بدل ڈال ———"

"پھر کیا ہوا ——— ؟"

"میرے آنگن پہ کیا کڑھو کے دانا مال سمجھے کہ میں چھپ کے بدلتی ——— میں ایک ایک

کر کے سارے کپڑے اتار دی ——— ہنس مت حرام خور ——— صرف اوپر کے کپڑے۔"

"اے میری ماں ———" چنوبی کی سخت وحشت زدہ آواز آئی۔

"مگر تو یہ بھی تو سن اُنوں بے حد مزے میں پڑھتے رہے ——— ایک دو بار میرے طرف دیکھے بھی ——— ہور مزے کی بات سُنی، مزے سے کیا بولے "تم چھوکریاں چھاتی پے یہ کپڑا کیوں باندھتیں ———" ایسا غصہ آیا، جی میں آیا فورا کپڑا اُٹھا کے دکھا دیوں ہور پھر پوچھوں ——— اب بولو ——— آیا سمجھ میں کی کپڑا کیوں باندھتیں ———؟" چنوبی کی ہنسی روکتی آواز آئی ———

"سچی ایک آدھ دن دکھا ہی دے مزہ آجائیں گا ———"، الفت بھی ہنسا کر بولی

"اگے وہ ——— ؟ وہ تو ایسا بچڑا ہے۔ دکھا بھی دیوں تو سمجھیں گا ——— کاہے کو دکھائی کی؟ اور اس کو جسم کا ایک حصہ ایچ سمجھیں گا ———"

وہ دونوں تو قہقہے لگا رہی تھیں اور نواب شوکت کا دل ڈوبا جا رہا تھا۔

ہائے ربّی مجھ بد نصیب کا ایک ایچ بیٹا ہے ——— خاندان کا نام چلانے والا ——— مَرے تو مونہہ میں پانی ڈالنے والا ——— مالک میرے کو یہ رسوائی اور بد نصیبی مت بتانا ——— لیکن انہوں نے طے کر لیا تھا کہ کسی نہ کسی پہچان کے حکیم ڈاکٹر کو اپنے بچے کو ضرور بتائیں گے ——— پہلے انہوں نے یارِ غار ذاکر خاں سے مشورہ کر لینا بہتر سمجھا ——— ذاکر خاں کوئی تین چار سال سے ہی ان کے دوست چلے آ رہے تھے لیکن ان کی دوستی میں کھوٹ نہیں تھا ایسے وفادار یار تھے کہ وقت پڑنے پر جان بھی بے دریغ نثار کر دیتے ——— نہ نواب شوکت کے پیسے دولت سے غرض تھی نہ اُن کی جاہ و حشمت سے ——— کبھی ہاں میں ہاں تک نہ ملاتے ——— دو ٹوک بات کرتے، اگر کوئی غلط کام کرتے دیکھتے تو بلا تامل اپنا مشورہ پیش کر دیتے ——— نواب شوکت نے بارہا ان کو آزمایا تھا، حالانکہ ان کی دوستی ابھی پُرانے پن کے زمرے میں بھی نہیں آتی تھی اور کتنی چھوٹی سی بات پر یہ دوستی استوار

ہوئی تھی ـــــ ایک دن نواب شوکت بگھی پہ سوار کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں کسی نے پٹاخہ چھوڑا اور گھوڑا بدک گیا ـــــ ایسا بے قابو ہوا کہ بگھی اُلٹنے کی نوبت آگئی ـــــ دوسرا گھوڑا بگھی کو اپنی طرف کھینچے، بدکا سو گھوڑا اپنی طرف کھینچے ـــــ کوچوان حیران ـــــ بگھی کی گتیاں بن گئیں ـــــ نہ آگے بڑھے، نہ پیچھے ہٹے، دونوں گھوڑے اپنی اپنی طبع آزمائی میں مصروف ـــــ اسی اُتھل پتھل میں کوچوان تو بیر کی طرح پٹ سے نیچے جا گرا اور گھوڑوں نے جب دیکھا کہ کوئی روک ٹوک کرنے والا نہیں تو ایسے بے قابو ہوتے کہ نواب شوکت اب گرے کہ تب گرے ـــــ ایسے میں جانے کہاں سے ذاکر خاں نمودار ہوئے ـــــ چھلانگ مار کر کوچوان کی گدی پر چڑھے اور بے قابو گھوڑوں کو ایسی پھرتائی اور مردانگی سے رام کیا کہ کہاں تو بگھی بھاڑ میں پڑے چنے کی طرح پھٹک رہی تھی یا ایسی نرمی سے سہج سہج چلنے لگی، مانو کہاروں کے کندھوں پہ سوار دُلہن کی ڈولی چلی جاتی ہے۔

محل پہنچ کر نواب صاحب نے جب تھالی بھر روپلے اور پانچ اشرفیاں خدمت میں گزاریں تو ذاکر خاں نے وہی تھالی اُٹھا کر نواب صاحب کے سر پر سے واری اور سامنے کھڑے خادم کے حوالے کر کے اطمینان سے بولے :

"نواب صاحب کی جان کا صدقہ ـــــ غریبوں میں بانٹ دو۔" نواب صاحب دنگ رہ گئے ـــــ سمجھے خاندانی رئیس ہوں گے، پوچھا :

"شغل کرتے کیا ہیں آپ ـــــ؟"

لاپرواہی سے بولے : "حضور کے ہی غلام ہیں سارے ـــــ میں کیا میری اوقات کیا ـــــ"، پھر مسکرا کر کہنے لگے : "ویسے میں بچوں کو پڑھاتا ہوں ـــــ مدرّس ہوں ـــــ"

اس کے بعد تو نواب صاحب ذاکر خاں کے ایسے گرویدہ ہوتے کہ ہزاروں کے لین دین اُنہی کے ہاتھوں انجام پانے لگے ـــــ کیا مجال جو اُنہوں نے ایک دھیلہ بھی

اِدھر سے اُدھر کیا ہو ـــــ نواب صاحب کبھی شکایت کرتے:

"بھئی ذاکر خاں تمہاری بس ایک ایچ عادت بُری ہے ـــــ کبھی ہمیں خوش ہونے کا موقع نہیں دیتے ـــــ" تو وہ ہنس کر بولتے ـــــ

"حضور جب بھی ضرورت پڑے گی آپ ہی کے پاس تو آؤں گا ـــــ لیکن بات دراصل یہ ہے کہ آپ سے بڑا جودر ہے نا ـــــ سارے مطالبات وہیں سے پورے ہو جاتے ہیں تو کسی اور در پہ جانے کا سوال ہی نہیں اُٹھتا ـــــ" اور وہ آسمان کی طرف نگاہیں اُٹھا کر تشکر سے چہرے پہ دونوں ہاتھ پھیر لیتے ـــــ ہوتے ہوتے دوستی اتنی بڑھی کہ محل کے اور سارے کاموں میں بھی ذاکر خاں ہی ذاکر خاں باجنے لگے ـــــ لوگوں کی نظروں میں کھلتے بھی ہوں گے ہی ـــــ لیکن ہیاؤ ایسا تھا کہ کسی کو موتہہ مارنے کی مجال نہ ہوئی ـــــ گھیر دار شلوار ـــــ اسی کپڑے کی قمیص ـــــ واسکٹ ـــــ اس پر کلغی دار صافہ ـــــ آباؤ اجداد رہے ہوں گے کبھی پشاور میں ـــــ اب تو مدتوں سے حیدرآباد دکن کے ہو کر رہ گئے تھے ـــــ صاف اُردو بولتے تھے ـــــ گورے خوب صورت ایسے تھے کہ نواب شوکت کا سا لباس اگر پہنا کرتے تو دونوں بھائی بھائی سجتے ـــــ لباس پہناوے کا کیا ہے، ملیں نہ ملیں دِل ملنا چاہیئے، سو مِلا ہوا تھا ـــــ ہر بار کی طرح اس بار بھی ذاکر خاں یاد آئے ـــــ

"آپ کیوں فکر کرتے ہیں حضور ـــــ صاحب زادے کو کسی ڈاکٹر کو بتا دیتے ہیں ـــــ"

نواب صاحب پریشانی سے بولے: "ذاکر خاں بات یہ ہے کی لڑکی ذات کی اگر بدنامی ہو جائے تو بُرا نہیں پڑتا ـــــ مگر مردذات کی بدنامی ہو جائے تو لڑکیاں تو بہت مل جاتے ـــــ سر بلندی نہیں ملتی ـــــ اور آپ جانو مرد سر نیچا کر کے جیا تو کیا جیا ـــــ"

وہ تھوڑی دیر پریشانی سے سر جھکائے رہے پھر بولے : "ابھی گھر کی بات گھر میں ہے ——— چار لوگوں میں پھیل گئی تو مرد بچہ ہے شرم سے خودکشی نہ کر لے ———"

"وہ خودکشی نہیں کر سکتے ———"

"آپ یہ بات کیسے کہہ سکتے ہیں ——— ؟ ندامت اور شرم ایک مرد کو کچھ بھی کرنے پر مجبور کر سکتی ہے ———"

"اس لئے نہیں کر سکتے کہ ان میں خود ابھی اپنی مردانگی کا احساس ہی نہیں ہے۔ چلیے آپ کے خاندانی حکیم صاحب سے بات پھیل جانے کا خطرہ ہے تو کسی انگریزی پڑھے لکھے ڈاکٹر کو دکھا دیتے ہیں ———"

نواب صاحب ذرا مطمئن ہو کر بولے : "آپ کی نظر میں کوئی ڈاکٹر ایسا ہے۔"

"ہے ——— تبھی تو کہتا ہوں ———"

ڈاکٹر فرحان لندن کے ڈگری یافتہ ڈاکٹر تھے اور ماہرِ نفسیات بھی ——— کمرے میں سر جھکائے سرفراز نواب کو بیٹھا دیکھا تو مونہہ سے کچھ نہ بولے ——— بس دیکھتے رہے ——— اچانک سرفراز نے ماحول سے بوکھلا کر باپ کی طرف دیکھا اور بولے :

"اب میں اندر جاتا ہوں ———" نواب شوکت کے چہرے پر بیک وقت ندامت اور غم کی چھاپ اُبھر آئی اور انہوں نے بڑی تکلیف سے ڈاکٹر صاحب کی طرف دیکھا جو بڑی خوش خلقی سے سرفراز نواب سے کہہ رہے تھے ———

"بیٹے آپ جا سکتے ہیں ——— لیکن آپ مرد ہیں ماشاءاللہ اتنے اونچے پورے

بھی ——— آپ کو کہنا چاہیئے ——— میں اندر جاتا ہوں ———"

سرفراز نے ذرا حیرت سے انہیں دیکھا اور جلدی سے اندر کی طرف قدم بڑھا دیئے ——— اُن کی چال کو ڈاکٹر صاحب نے غور سے دیکھا ——— بالکل مردانہ چال تھی ——— وہ ذرا مطمئن انداز میں نواب شوکت سے مخاطب ہوئے۔

"آپ کے کتنے لڑکے ہیں ———؟"

"جی ——— بس یہی ایک ———" وہ ذرا دُکھ سے بولے۔ "باقی سب لڑکیاں ہوئے ———"

"کتنی لڑکیاں ہیں ———؟"

"جی پانچ ———"

"محل میں اور کون کون ہیں ———"

"جی اُمّی حضور ——— بیگم صاحبائیں ——— رشتے کی بہناں ——— سالیاں ——— پھپیاں اور بھی عورتاں ہی عورتاں ———"

"صاحبزادے کو بچپن سے اب تک کس نے سنبھالا ———؟"

"تین چار لڑکیاں اور آیا ماں نے اور ایک دو خواصاں بھی تھے ———"

"صاحبزادے جوں جوں بڑے ہوتے گئے اُن کے دائرۂ احباب میں لڑکے بھی شامل ہوتے گئے ——— یا لڑکیاں ہی آس پاس رہیں ———؟"

"محل میں پردے کی سخت پابندی ہونے سے زنانے میں مرد نوکراں، حتیٰ کی چھوٹے چھوکرے بھی نہیں جا سکتے ——— مطلب یہ کی لڑکیاں چھوکریاں ہی چھوٹے نواب کو اب تک سنبھالے ———"

"اب تک ———؟" ڈاکٹر صاحب نے حیرت سے پوچھا۔

"اب تک سے آپ کی کیا مراد ہے ——— عمر کیا ہوگی صاحبزادے کی ———؟

مجھے تو سترہ اٹھارہ سال سے کسی طور کم نہیں لگتے ـــــ تو کیا اتنی عمر کے لوگوں کو اب تک سنبھالنا پڑتا ہے ـــــ ؟" اُن کے لہجے کی خفگی نواب شوکت سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔
"جی آپ برابر سوچے ـــــ انہیں آتی برساتوں میں پورے اٹھارہ برس کے ہو جائیں گے ـــــ" نواب صاحب سَر جھکا کر بولے۔
"وہ تو آپ نہ بھی بتاتے تو ظاہر ہے ـــــ باقاعدہ مونچھیں نکل آئی ہیں۔ کلوں اور ٹھوڑی پر رُواں پھُوٹ چکا ہے ـــــ ماشاءاللہ قدو قامت آپ کے برابر ہوا ہی چاہتا ہے ـــــ وہ کچھ رُک کر پھر دھیرے دھیرے بولنے لگے ـــــ
" یہ دراصل میڈیکل کیس ہے ہی نہیں ـــــ یہ صرف سائیکلوجی کی بات ہے ـــــ آپ سے تھوڑے ہی سوالات کر کے مجھے اچھی طرح اندازہ ہو گیا ـــــ ایک لڑکا جو اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا ہے ـــــ پانچ بیٹیوں کے ہونے سے اور بھی زیادہ لاڈلا بن گیا ہے ـــــ اسے کسی بات پر روک ٹوک نہیں کی جاتی کیوں کہ اکلوتا ہے ـــــ لاڈلا ہے ـــــ محل میں گوشے پردے کی وجہ سے اُس کا سارا وقت، ہر ہر لمحہ صرف لڑکیوں اور عورتوں میں گزرا ـــــ اُس کی بات چیت تک میں زنانہ چھاپ لگ گئی ـــــ شرم وحیا جو عورتوں کا فطری جوہر ہے، وہ، اسے بھی ماحول نے تحفے میں دیا ـــــ" اچانک وہ رُکے ـــــ "معاف کیجیے گا بات کچھ آداب سے گری ہوئی ہے لیکن محض علاج کی خاطر پوچھنا پڑ رہا ہے کہ صاحبزادے لڑکیوں میں دلچسپی لیتے ہیں کچھ ـــــ"
نواب صاحب نے رُک رُک کر جھجک جھجک کر الفت اور چوبی والا واقعہ مہذب انداز میں انہیں کہہ سنایا۔
"That's it ـــــ" ڈاکٹر صاحب صوفے کے ہتھے پر زور سے ہاتھ مار کر بولے "یہی اصل بات ہے۔ آپ نے بھلے سائیکلوجی نہ پڑھی ہو، عقل سے یہ سمجھ سکتے ہیں۔ ایک لڑکا ہمیشہ ہمیشہ لڑکیوں میں رہتے رہتے غیر محسوس طریقے پر خود کو بھی لڑکی سمجھنے لگتا ہے۔ جد

یہ کہ وہ عورت کے اُن پوشیدہ مقامات کو بھی جو مرد میں جنسی تحریک پیدا کرتے ہیں' سادگی سے دیکھتا ہے اور بجائے ملتفت ہونے کے وہ اُن کے متعلق اس بے نیازی سے سوال جواب کرتا ہے جیسے وہ پوشیدہ مقامات نہ ہوں ——— آنکھ ——— ناک ——— کان ہوں ——— آپ نے سوچا ایسا کیوں ہوا ——— ؟ یہ اس لئے ہوا کہ لڑکیوں میں رہ رہ کر وہ یہ سوچتا ہے کہ ہم سبھی ایک جیسے ہیں۔ وہ سوچتا ہے جب میں لڑکیوں کے سامنے قمیص اُتار سکتا ہوں، تو لڑکیاں میرے سامنے کیوں نہیں اُتار سکتیں۔ اس لئے وہ اُس کمرے سے دوسرے کمرے میں جانے کی زحمت بھی گوارہ نہیں کرتا ——— ہمارے گھرانوں میں شادی بیاہ کے موقعوں پر آپ نے دیکھا ہوگا کہ اکثر خواتین مل کر ایک ہی ساتھ ایک ہی کمرے میں ایک دوسرے کے سامنے کپڑے بدلنا شروع کردیتی ہیں ——— معاف کیجئے وہ تھوڑا مسکرا کر بولے "یہ منظر میں نے نہیں دیکھا ——— یہ ضرور دیکھا ہے کہ ہلڑ میں ساری خواتین ایک ہی کمرے میں جمع ہوکر، تیار ہو ہو کر نکل رہی ہیں ——— ویسے ماہر نفسیات ہونے کی بنا پر بیوی سے اس بات کی تصدیق ضرور کی ہے اور اُنھوں نے بھی بڑی بے نیازی سے فرمایا ہے کہ "اس سے کیا فرق پڑتا ہے ——— عورتوں عورتوں میں کاہے کی شرم ——— ؟" اب آپ پھر میرے اُسی پوائنٹ پر آئیے اور بیوی کے اس ریمارک کو ذہن میں رکھیے کہ عورتوں عورتوں میں کاہے کی شرم ——— "مطلب یہ کہ آپ کے بیٹے نے بچپن سے آنکھ کھولتے ہی ایک مخصوص زنانہ ماحول اپنے اِرد گرد پایا ——— ساری ادائیں لڑکیوں والی سیکھیں ——— اوروں سے تو شرم روا رکھی، جیسا کہ آپ کی باتوں سے پہلے ظاہر ہوا کہ اسکول میں بہت شرمیلے ثابت ہوئے کہ آخر اسکول چھوڑ دیا ——— لیکن عورتوں سے شرم اُسی انداز میں روا رکھی جیسی کہ عورتیں، عورتوں سے شرماتی ہیں ——— معاف کیجئے گا یہاں میں لفظ بناوٹ استعمال کروں گا ——— صحیح معنوں میں شرم ——— ایک عورت صرف مرد سے محسوس کرتی ہے ——— عورتوں سے عورتیں صرف دکھاوے کو شرماتی ہیں ——— بن بن کر اتراتی ہیں ——— آپ

کے بیٹے نے وہی ساری چھوٹی عورتوں والی ادائیں اپنا رکھی ہیں ـــــ اور یہ سب صرف ایک نامناسب ماحول اور بے جا محبت کی دین ہے ـــــ بہرحال:" وہ سانس لے کر بولے:

" آپ کو مژدہ ہو کہ آپ کے صاحبزادے مکمل مرد ہیں ـــــ"، نواب شوکت نے بڑی دیر سے رُکی ہوئی سانس چھوڑ کر ڈاکٹر خاں کو دیکھا ـــــ لیکن ڈاکٹر صاحب پھر سے مخاطب ہوئے ـــــ لیکن آپ کو ـــــ بہت کچھ سہنا ہوگا ـــــ"

" ہم آپ کا مطلب نہیں سمجھے ڈاکٹر صاحب ـــــ"، نواب صاحب گھبرا کر بولے ڈاکٹر صاحب نرمی سے مسکرائے۔

" گھبرانے کی بات نہیں ہے نواب صاحب ـــــ میرا مطلب یہ ہے کہ اس زنانے پن کے جال سے نکالنے کے لئے صاحبزادے کا علاج کرنا ہوگا ـــــ"

" علاج ـــــ آپ کہیں تو ہم اشرفیوں کے ڈھیر لگا دیں ـــــ"

" جی نہیں ـــــ اشرفیوں کے ڈھیر ہر جگہ کام نہیں آتے ـــــ انہیں ـــــ میرا مطلب ہے نواب سرفراز کو کسی عورت کے ساتھ رکھنا پڑے گا ـــــ"، نواب صاحب نے ڈاکٹر فرحان کو ایسی نظر سے دیکھا جیسے اُن کے صحیح الدماغ ہونے میں شک ہو ـــــ ڈاکٹر صاحب ان کی نظروں کا انداز سمجھ کر مسکرا پڑے۔

" آپ یہی سوچ رہے ہیں نا کہ یہ ڈاکٹر خود پاگل لگتا ہے دوسروں کا علاج کیا کرے گا ـــــ آپ نے غلط نہیں سوچا۔ آپ کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو یہی سوچ سکتا تھا کہ ایک لڑکا جو محض عورتوں کی تربیت، ساتھ اور سنگت کی وجہ اس حال کو پہنچا ہو اس کو پھر کسی عورت ہی کے ساتھ رکھنے کا نسخہ بتایا جائے ـــــ لیکن نواب صاحب نفسیات چیز ہی یہی ہے ـــــ اب ٹھہریئے میں آپ کو ذرا تفصیل سے بتاؤں ـــــ۔ اب تک جن عورتوں نے نواب سرفراز کو گھیرے رکھا ہے وہ سب اُن کی خوشامد درآمد، آگے پیچھے گھومنے پھرنے میں لگی رہی ہیں ـــــ جیسا انہوں نے کہا اُن لڑکیوں نے مان لیا ـــــ حد یہ کہ چونکہ اکلوتے ہیں

ماں، دادی، پھوپی، خالہ، سبھی نے ہر بات مانی ہو گی ——— اُن چھوکریوں نے تو ہر بات کو حکم سمجھ کر تعمیل کی ہو گی جو خاص ملازمائیں تھیں ——— مجھے بتایئے نواب صاحب کیا کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ کوئی لڑکی ان سے کسی بات میں روٹھی ہو اور اُسے سرفراز نواب نے خود منایا ہو! مرد کی فطرت میں بھنورا بننا لکھا ہے ——— اکلوتے ہونے نے آپ کے بیٹے کو [illegible] دیا کیا ——— مرد کی مردانگی اور رانا جو کسی عورت کو منائے، پھسلا کے، آنسو پونچھ کے [illegible] ہے۔ وہ صاحبزادے کے وجود میں کہیں سوئی پڑی ہے اُسے کسی ایک ——— صرف ایک ایسی عورت کے حوالے کیجئے جو اُنہیں ٹھوکر سے اُڑائے ——— جو اُن کا سر اپنے سامنے [illegible] کر فخر محسوس کرے ——— جو پوری پوری آنکھیں کھول کر اُنہیں نہ دیکھے، کن انکھیوں سے دیکھے اور اپنی دید کے لئے ترسائے ——— " وہ رُکے ——— رُک کر مُسکرائے ——— " [illegible] آپ جانتے ہی ہیں کہ شرع میں چار شادیاں جائز ہیں ——— " ہنس کر بولے " آپ میرا مطلب سمجھے یا نہیں۔ مطلب یہ کہ صاحبزادے اتنے جوان مرد ہیں کہ ایک عورت ایک بیوی کافی نہیں ہو گی ——— " نواب صاحب بھی خوش دلی سے مُسکرائے ——— ڈاکٹر فرحان کی قابلیت کے وہ دل سے معترف ہو چکے تھے۔ واقعی نفسیات بھی کیا مضمون ہو گا ———؟ کیا سوچ سوچ کے سوالات کئے اور کیا جوابات دیئے ——— دل خوش ہو گیا اور مطمئن بھی ——— لیکن ایسی عورت کہاں سے ملے ——— محل میں ملنے سے تو رہی ——— اُنہوں نے ذرا تردد سے ڈاکٹر خاں کو دیکھا لیکن ڈاکٹر صاحب نے اُن کی آنکھوں کو پڑھ لیا۔

" بات ذرا بے ہودہ ہے نواب صاحب ——— لیکن آپ کو اس کام کے لئے کسی طوائف کو رکھنا پڑے گا ——— کسی گھریلو عورت یا لڑکی سے آپ اس کام کی توقع نہیں کر سکتے کہ وہ ناز و انداز سے ایسے مرد کو زیر کر سکے ——— بلکہ میں نے غلط کہا ایسے مرد کو اُبھار سکے۔

" حضور، اس بارے میں آپ فکر مند ہوں۔ یہ ایسی کوئی بڑی بات نہیں ———"

ذاکر خاں اطمینان سے بولے۔

"اور ویسے بھی ۔ ۔ ۔ ڈاکٹر صاحب ذرا رُک رُک کر بولے "آپ تو نواب ہیں اور نوابوں کے ہاں طوائفوں کا آنا جانا فیشن بھی سمجھا جاتا ہے اور ضرورت بھی ـــــ" پھر وہ اُٹھتے ہوئے بولے ـــــ" آپ ذرا بھی پریشان نہ ہوں ایسے کیس نظر سے گزرتے رہے ہیں کہ لڑکیاں لڑکوں میں مِل جُل کر رہتے رہتے اپنے نسوانی انداز کھو بیٹھیں، یا لڑکے لڑکیوں میں رہتے رہتے زنانہ انداز اختیار کر گئے ـــــ لڑکیوں کے لئے تو یہ اتنا نقصان دہ نہیں ہے لیکن بعض صورتوں میں لڑکوں کے لئے خاصا (HARM FUL) ہارم فُل بن جاتا ہے لیکن صاحبِ نفسیات نے بھی انسان کی کیا کیا گرہیں کھولی ہیں ایک سایکاٹرسٹ تو بعض وقت خُدا کے سے معجزے بپا کر دیتا ہے ـــــ" نواب صاحب کو کُرتے کی جیب کی طرف ہاتھ بڑھاتا دیکھا اُنہوں نے اُن کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"ارے نواب صاحب ابھی رہنے دیجئے ـــــ پہلے جو میں نے کہا ہے اس کو آزما دیکھئے ـــــ جب تک مریض کو فائدہ نہ ہو جائے میں فیس نہیں لیتا ـــــ فائدہ ہونے پر ہی بھرپور فیس لیتا ہوں اور اسی لئے اتنا امیر ہوں ـــــ" وہ خوش دلی سے ہنسے۔

"میں آتا رہوں گا ـــــ اپنے مریض کو صحت مند ہوتا دیکھنا ایک ڈاکٹر کی سب سے بڑی خوشی ہوتی ہے ـــــ اور ذاکر صاحب ذرا اس سلسلے میں نواب صاحب کی مدد کیجئے ـــــ کام گناہ آلود ہے، لیکن کراماً کاتبین اُسے ثواب کے کھاتے میں ڈالیں گے ـــــ"

توبہ ـــــ توبہ ـــــ توبہ ـــــ

یہ پنچھی بزاق ـــــ حیدرآباد دکن کا بدنام محلہ ـــــ اُن دنوں بڑا نیک نام ہوتا

تھا ـــــ شہر بھر میں ایک طوائف کا چرچا تھا ـــــ بڑے بڑے جس کے در پہ ماتھا ٹیکنا اپنی سعادت سمجھتے تھے اور اس کے رقص اور آواز کے جادو کے دیوانے تھے ـــــ

کمانیوں دار چھجے مکانوں کا، سفیدی اور نیلی بھرے ہوئے شہ نشینوں کا جو سلسلہ یہاں سے وہاں تک بیچھی براق میں پھیلا ہوا تھا، وہ بازارِ حسن کا بڑا معروف اور مصروف دربار تھا۔ پھول والوں کی بھی یہی دکانیں ـــــ پنواڑیوں کے بیتے مجرے پان ـــــ سونے، چاندی کے ورقوں میں تیار پان بیچنے کی دکانیں ـــــ مٹھائی والوں کی دکانیں ـــــ درگاہ جانے والی طوائفوں کی آسانی کے لیے عود بتیوں اور نقل دانے بیچنے والوں کی دکانیں، پھر نچلے طبقے کی چلتے گاہک کو روک کر خود مونہہ سے بلانے والی طوائفیں کہ جو گاہک کے ساتھ شب بسری سے قبل اس کے ہاتھ میں کھانے کی پوری ٹٹولتی ہوں۔ ایسی بھوک کی ماری طوائفوں کے توشے کے طور پر لے جانے والی تیل میں تلی جانے والی جلیبیوں، مرکل، تلی ہوئی بیسن کی کھٹی مرچوں اور بھجیوں کی دکانیں ـــــ

بیچھی براق تھا ـــــ یہاں کچھ ایسی بھی تھیں جو جسم کا کاروبار کرتی تھیں ـــــ ایسی بھی جو صرف ناچ گا کر گاہکوں کا دل بہلاتی تھیں، پھر پچھواڑے کے کمروں میں جا کر شب بسری کا اہتمام بھی کر دیتی تھیں ـــــ ایسی بھی جو کسی بھی رئیس نواب کو خوش آمدید بھی کہتی تھیں اور ایسی بھی جو کسی کے بلاوے پر محلوں، کوٹھیوں اور ڈیوڑھیوں پر بھی چلی جاتی تھیں ـــــ یہاں پیاسے کنوؤں تک آتے تھے اور کنویں خود بھی چل کر پیاسوں تک پہنچ جاتے تھے ـــــ لیکن کونے کا آخری مکان جو اپنی وضع قطع سے ہی کچھ الگ تھلگ سا لگتا تھا اس کی مالکن بھی کچھ ایسی ہی عام خواتین سے الگ تھلگ سی تھی۔

جسم بیچنا اس کے مذہب میں حرام تھا ـــــ گانے بجانے کا سلسلہ بھی دل پر نوشت تھا ـــــ کبھی تو یہ ہوتا کہ محفل سجی بیٹھی ہے ـــــ لوگ منتظر ہیں کہ بی بی اب آئیں کہ تب آئیں ـــــ اندر سے سندیسہ آ گیا ـــــ

"آج ناچنے کو دِل نہیں کرتا —— معافی چاہ رہی ہیں ——"، کبھی محفل میں پُرسوز آواز سے گاتی بیٹھی ہیں کہ ناچنے کا دِل ہو گیا —— طبلے، سارنگی، دف، تاشے، ہارمونیم، ڈھول کیا، ایک ساتھ سارے ساز چیخنے لگے اور ناچ رہی ہیں —— ناچ رہی ہیں —— بے حال ہونے تک ناچیں گی ——

دِل کی غلام تھیں، اسی لئے بڑے بڑے نوابوں، جاگیرداروں کے ہاں سے تیرتے آتے —— تو ٹرے بھر بھر کر اشرفیوں کے لالچ دِئے جاتے، لیکن نہ جاتیں پر نہ جاتیں۔ لوگ آپس میں بولتے ——

"ایسی پاتر (طوائف) تو دیکھی نہ سُنی بابا —— پیسے کے واسطے تو پاتر بازار بساتی —— ہور اِتے پیسے کراتی ٹھکراتی ——"

نواب شوکت مدت ہوئی گانے بجانے کی محفلوں سے تائب ہو چکے تھے ——
اب ان محفلوں میں نہیں کہ ناچ بیٹھنا یا گانا سننا یک لخت ختم کر دیا ہو —— اپنے نواب دوستوں کے ہاں کی تقریبوں، شادی بیاہ، بسم اللہ، ختنے، سالگرہوں، عیدوں بقرعیدوں میں جاتے اور طوائفوں کا ناچ گانا ہوتا تو خوشی سے صرف یہ کہ دیکھتے بلکہ جیبوں میں جو کچھ بھی ہوتا اور یہ بولے بتائے جیسی بات تو ہے نہیں کہ کیا کچھ نہ ہوتا ہوگا، جتنا کچھ بھی ہوتا سارا کا سارا دان کر کے آتے۔ البتہ تائب یوں ہو گئے تھے کہ اپنے محل میں طوائفوں کا بلانا قطعی بند کر دیا تھا ——

اس بند کرنے میں کسی کنجوسی کو کوئی دخل نہ تھا، بلکہ بات یہ تھی کہ جوان جوان تین بیٹیوں کے باپ تھے۔ دو تو ابھی اتنی بڑی نہیں ہوئی تھیں، لیکن بیٹیوں کے باپ کو بہر حال دُنیا میں پھونک پھونک کر قدم اُٹھانا پڑتا ہے —— بیٹے باپ کا سر بلند کرتے ہیں بیٹیاں سر جھکا کر چلنے پر مجبور کرتی ہیں —— وہ شوکت محل کے کرتا دھرتا تھے، اُن کے

سر پہ کوئی بڑا بزرگ مرد نہ تھا جو انہیں کسی بھی کام سے ٹوکتا ــــ وہ مالک و مختار سبھی کچھ تھے۔ جو چاہتے کرتے۔ کون منع کر سکتا تھا لیکن انہوں نے خود ہی اپنے اوپر کچھ قیود عائد کر دی تھیں اور اپنی خود ساختہ قید میں وہ بہت مطمئن تھے ــــ ایک لحاظ یہ بھی آتا تھا کہ اچھی خوش و خرم مطمئن زندگی ہے ــــ شریف محبت کرنے والی بیگم ہیں ــــ بچے ہیں ــــ اب خواہ مخواہ تو جوانی کے دنوں کے جیسے چونچلے کرو تو دل بھی خوش نہیں ہوتا اوپر سے دنیا بھی نام رکھتی ــــ وہ تو شادی سے پہلے، جب ذمہ داریاں نہیں تھیں تو چھڑے چھانٹ تھے۔ تب بھی امی حضور کو پتہ چل گیا تھا کہ بار بار ایک بائی جیا کے ہاں جاتے ہیں تو کتنا چڑتے تھے ــــ آخر کو ابا بولے ابا سمجھائے کی ہم شادی ابھی کر لتے ــــ اب جب اتی اچھی زندگی ہے کی اس میں کوئی کھٹکا کوئی ڈر کا نہیں تو کائے کو لوگاں کو بولنے کا موقع دینا ــــ'

تو لوگوں کو بولنے کا موقع دینے سے بچنے کی خاطر وہ اپنے محل پہ تو ناچ رنگ ــــ کی محفلیں ختم کروا چکے تھے لیکن دوستوں کے ہاں آئے مہینے وہ ذکر سنتے تھے کہ آج کل ایک گانے اور ناچنے والی نے حیدرآباد کو دیوانہ بنا رکھا ہے ــــ جسے دیکھو یہی ذکر ــــ

"کیا ناچتی ہے توبہ ــــ!"

"کیا گاتی ہے توبہ ــــ!"

ایک دن نواب شوکت نے ذرا بے کیف ہو کر پوچھا: "آخر کس کے یہ چرچے ہیں ــــ"

وہ اس دن نواب جمال الدین کی ڈیوڑھی میں مدعو تھے ــــ انہیں ذرا حیرت سے دیکھ کر نواب جمال الدین بولے

"حضرت آپ ہوش میں ہیں یا نہیں ــــ تو بہ بول بول کے ساری خلقت جہنم رسی ہو رہا ہے پھر بھی یہ پوچھتے کی کون ہے اُنے ــــ"

"تو کیا اُس کا نام ابھی توبہ ہے ــــ؟" شوکت نواب حیرت سے بولے ــــ

"میں تو اپنی مادری زبان میں بول رہا ہوں آپ نئیں سمجھے تو میرا کیا حضور ـــــ"
نواب جمال الدین ہنسنے لگے ـــــ کیا صورت ہے کی واہ ۔ ہور کچھ شناسا سا بھی معلوم ہوتی ۔"

"لیکن ہم اتے جگہوں پر اتے محفلوں میں گئے کبھی تو یہ کو نئیں دیکھے ـــــ کیا پردہ کرتی اُنے ـــــ ؟" نواب شوکت مسکرا کر بولے ـــــ

"پردے گوشے میں رہتی تو ایچ اچھا رہتا تھا ـــــ اب تو کیا معلوم اُس کا گانا سن کر اُس کا ناچ دیکھ کر گھر آکو کتے مرداں اپنے اپنے بیویاں کو طلاخ دے دئے ہوئیں گے ایسے ناز و انداز ہیں اس کے ـــــ"

"مگر ہم تو کبھی اُس کو نئیں دیکھے ـــــ"

"آپ اس واسطے نئیں دیکھے کی آپ کبھی اس کے گھر پہ نئیں گئے ـــــ ہور وہ خود تو ایسی اصول والی ہے کی کسی کے گھر چل کر نئیں جاتی ـــــ بولتی ہے : "جس کو میرا گانا سننے کا ہے میرا ناچ دیکھنے کا ہے وہ خود چل کر میرے پاس آتے، میں کیوں جاؤں ۔" آپ چلو نا کسی دن ۔ کیا انداز ہیں ۔ کیا ادایاں ہیں ۔ ایک ایک نظر سو سو بجلیاں گراتی ـــــ ہور گاتے میں اس کے ہاتھاں کے، آنکھاں کے، بھوواں کے، ہونٹاں کے انداز ہور اشارے کیا بولوں ـــــ غالب کا ایک شعر گاتی :

شمع بجھتی ہے تو اس میں سے دھواں اٹھتا ہے
شعلۂ عشق سیہ پوش ہوا میرے بعد

حضرت پہلے تو اُس نے چٹکی سے مسل کر خود شمع بجھا دی ـــــ ہور اُس میں سے ـــــ بتی میں سے جو دھواں نکلا تو ادھر خود ایک سیاہ دوپٹہ اوڑھ کر بیٹھ گئی ـــــ اُداس ـــــ غمگین ـــــ تباہ و برباد ـــــ اور پھر اپنی اُداسی سے تاثر یہ دی کی عشق کا شعلہ ـــــ جو کی اس وقت میں ہوں ـــــ وہ ایسا سیاہ ہے ـــــ پھر اُس کے کالا دوپٹہ اوڑھ کر بیٹھ جانے کا انداز ـــــ بجھی ہوئی شمع میں سے نکلتا دھواں ـــــ محفل کی وارفتگی ـــــ حاضرین کا سانس رُک کر

بیٹھے رہنا ـــــ اس ایک مخصوص موڑ پہ سازوں کا موقوف ہونا ـــــ پھر اچانک سازوں کی اونچی لَے اور تال ـــــ ہونٹوں کا اک دم سے مسکرا پڑنا ـــــ کہاں تو غم کی تصویر بنی بیٹھی تھی کہاں پھول کے زنیا ہنس پڑی ـــــ عورت ہے کہ بجلی ـــــ،، پھر کان میں جھک کر ہنس کر بولے : " مگر بِکاؤ نہیں ہے ـــ بس یہیں آ کر ساری گڑبڑ ہے ـــ،، نواب شوکت نے ذرا اُلجھ کر اُنہیں دیکھا اور بولے :

" میاں ـــــ اگر ایسی ہی گھریلو بی بی ہے تو پھر ناچتی گاتی ہی کیوں ہے ـــــ تم ہی سوچا کرو کہ بِکاؤ نہیں ہے ۔ ہم تو مان کے نہیں دیتے والے "

آج اچانک نواب شوکت کو وہ باتیں یاد آئیں جو نواب جمال الدین سے ہوئی تھیں ـــــ جو جو صفات طوائف کی بتائے تھے ـــــ عین مین انہی صفات کی طوائف اُنہیں بیٹے کے لئے درکار تھی ، جو صرف اپنے ناز و انداز سے ایک سوتے ہوئے مرد کو جگا دے ـــ کیوں نہ وہ اسے بُلا بھیجیں ۔

" ذاکر خاں ـــــ آپ پتہ اُٹھا کر ذرا پنچھی تراخ محلّے کے کونے والے مکان تک جائیں گے ذرا ـــــ،،

" جی نہیں ـــ،، ذاکر خاں بے حد اطمینان سے بولے ۔

" جی ـــ ؟ ،، نواب صاحب ذرا غصّے سے بولے ـــــ

" جی ہاں ـــــ آپ نے جس جگہ ، جس محلّے اور جس مکان کا پتہ بتایا ہے میں اُسے جانتا ہوں ـــــ وہاں تو یہ نامی ایک گانے بجانے والی بی بی رہتی ہیں ، لیکن وہ اپنے اصولوں کی اتنی پکی ہیں کہ آپ اگر اپنی ساری جائداد بھی اُن کے نام لکھ دیں نا ـــــ تو بھی وہ یہاں آنے کے لئے اپنے گھر کی دہلیز سے باہر قدم نہیں نکالیں گی ـــ،، اتنا لمبا بیان دے کر ذاکر خاں اطمینان سے خلال کرنے لگے ـــــ

"کیا آپ اُسے پہچانتے ہیں جو اتنے اعتماد اور وثوق سے بول رہیں ـــــ" وہ غصّے سے بولے۔

"جی ہاں ـــــ" اُن کا اطمینان بحال تھا ـــــ اب نواب صاحب چونک پڑے۔

"کمال ہے ـــــ آپ جیسا شریف آدمی اور طوائف کو جانے پہچانتے ؟"

"میں شریف ہوں یا نہیں اللہ جانے ـــــ لیکن طوائف کو پہچانتا ضرور ہوں ـــــ اس لیے کہ وہ میری بیٹی ہے ـــــ" نواب صاحب اپنی جگہ سے اُچھل پڑے۔

"ذاکر خاں ـــــ!" لیکن ذاکر خاں اُن کی طرف دیکھے بغیر کہے گئے: "میں ایک آپ ہی کی طرح کے دوست کے ہمراہ وہاں زبردستی لے جایا گیا تھا ـــــ گانا سننا، ناچ دیکھنا میرا شیوہ نہیں، میں اُن کے اصرار پر چلا گیا تھا ـــــ جا کر باہر کھلے صحن میں تسبیح رولنے لگا تھا ـــــ میں نمازی یا نیک یا پرہیزگار نہیں ہوں ـــــ نماز پڑھنا جان پر آتا ہے اس لیے اللہ میاں کو خوش کرنے کے لیے تسبیح ہمیشہ پڑھتا ہوں ـــــ آسان عبادت ہے بیٹھے بیٹھے موتی گراتے رہو۔ اللہ اللہ کرتے رہو ـــــ اللہ میاں نکتہ نواز ہیں، کیا پتہ اسی بہانے بخش دیں ـــــ گاتے گاتے بی بی تھک گئی ـــــ دُنیا والے کتنے ہی بازاری نام سے اُسے پکاریں، میں اُسے بی بی کہتا ہوں، تو کوئی دوسری لڑکیاں ناچنے گانے کو بیٹھ گئیں ـــــ بی بی صحن میں پڑے پلنگ پر لیٹنے آئی تو میں وہیں بیٹھا تسبیح رول رہا تھا ـــــ اُس نے مجھے بابا کہہ کر مخاطب کیا تھا ـــــ اور تب سے، تبھی سے وہ میری بیٹی تھی ـــــ یا پھر ممکن ہے میری عقل کا پھیر ہو، اور وہ سدا سے میری بیٹی رہی ہو ـــــ"

نواب صاحب نے ذرا حیرت سے اُن سے سر سے پیر تک گھور کر دیکھا۔

"اُس نے مجھ سے پوچھا تھا: "بابا آپ اس ماحول میں تسبیح پڑھنے آئے ہیں ـــــ"

میں نے جو بات تھی اُسے بتا دی تھی ـــــ" جن نواب صاحب کے ساتھ میں آیا ہوں۔ آیا نہیں زبردستی لایا گیا ہوں۔ اُن کی بیگم صاحبہ نے دوستی کے ناتے مجھے انہیں سنبھالنے کی خاطر

بھیجا ہے۔ کہیں رات کو واپسی میں اندھیرے اُجالے گر نہ پڑیں ـــــ زیادہ بہک نہ جائیں
پھر اُس نے کہا : " بابا میں خود تو کہیں نہیں آتی جاتی ہوں ـــ آپ سے ملنے کو جی چاہے
تو کہاں ملوں ـــــ کیوں کہ آپ سے بار بار ملنے کو جی چاہے گا ـــــ یہ دِل سے آواز آئی
ہے ـــــ" اور جب میں نے پوچھا تھا کہ وہ خود کہیں کیوں نہیں جاتی تو اُس نے چند باتیں
بتائی تھیں ـــــ اپنی مجبوریاں ـــــ اور چونکہ میں اُسے بیٹی کہہ چکا تھا اِس لیے اُس کی
مجبوریوں سے مجبور ہو کر میں نے خود اس کے ہاں جانا شروع کر دیا ـــــ ہفتے میں ایک بار۔
اور یہ سلسلہ مُدت سے جاری ہے ـــــ اور اسی لئے یہ بات کہتا ہوں اور وثوق سے کہتا
ہوں کیوں کہ اسے جانتا ہوں پہچانتا ہوں کہ وہ نہیں آئے گی ـــــ"

" آپ عورتوں کی اس قات ـــــ یا ترفات کو نہیں سمجھتے ذاکر خاں ـــ آپ توڑا
بھر اشرفیاں لے جایئے ـــــ کھنچی چلی نہ آئے تو ہمارا نام پلٹ دیجئے گا ـــــ"

" ہو سکتا ہے کہ اُس کے گھر تک، اُس تک پہنچوں ہی نہیں، یونہی آ کر کہہ دوں۔
یا یہ بھی ہو سکتا ہے جا کر آؤں بھی لیکن آپ کو یقین نہ آئے تو کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ خود
ہی چلے جائیں ـــــ ؟"

نواب صاحب سختی سے بولے : " نہیں ذاکر خاں، یہ نہیں ہو سکتا ـــــ ہم اَب
عُمر کے اُس دَور میں ہیں کہ ہمارا ایک بھی غلط قدم پُورے خاندان کو تباہ کر سکتا ـــــ کنوارے
رہے سو وخت کی بات ہو رہی ـــــ اب کِسی پاترنے کے گھر پہ جانا ـــــ ؟ کبھی نہیں . . .
لاحول ولا ـــــ"

اپنے طور پر نواب شوکت نے خود بھی ایک کام کیا ـــــ محل کی تمام لڑکیوں عورتوں
سے کہہ دیا کہ وہ صیغۂ مذکّر میں بات کریں۔ دُلہن پاشا نے سُنا تو ناک پر اُنگلی رکھ کر بولیں :
" دودی یہ موئی کیا بات ہوئی جی ـــــ"

"آپ کے سمجھ میں نئیں آئے گی ـــــ بس اَبّا ہم بولتے ہیں کی اب سب لوگاں لڑکوں مَردوں کے ویسی بات کرنا ـــــ"

"مگر آخر کیوں ـــــ؟"

وہ بُجز بُز ہو کر بولے : "ارے بابا، جان جوان لڑکا محض ماحول کی وجہ سے مُستخل لڑکیوں کے جیسی بات کرر ہا ہے ـــ اب اُس کے آس پاس سب لڑکیاں، لڑکوں کے جیسی بات کریں گے تو وہ بھی وہی طریخہ اختیار کریں گا ـــ"

دوسری صُبح بڑی بیٹی حسبِ معمول اسکول جاتے وقت اپنی ماں اور دادی کو سلام، خدا حافظ کہہ کر بولیں : "اچھا امّی ـــــ دادی ماں خدا حافظ ـــــ اب مَیں چلتیوں ـ" تو نواب صاحب تیزی سے بولے ـــــ

"برکت بیٹے ـــــ اب مَیں چلتاؤں بولو ـــــ رات کو آپ کے امّی سِکھائے تھے نا ـــــ"

"جی ہو بابا ـــــ مَیں بھول گئی ـــــ اتے ـــ بھول گیا تھا ـــــ"

دن بھر میں کئی بار ہنسی مذاق میں سب لڑکیاں ایک دوسرے کو ٹوکتیں ـــــ

"دیکھ تو نے پھر جارئی بولی ـــــ"

"اچھا باوا جارہا ـــــ بس ـــــ"

"دیکھ تو نے پھر کام کرتی بول دی ـــــ"

"اتے اَب سے کام کرتا بولوں گی ـــــ"

"ہائیں بولوں گی ـــــ؟"

"اچھا اچھا بولوں گا ـــــ بس ـــــ؟"

نواب سرفراز حیرت سے سب کو اس طرح باتیں کرتا سُنتے ـــــ اُنہیں سخت اٹ پٹا لگتا کہ سب نے اچانک اس طرح اپنی بولی کیوں بدل دی ہے ـــــ حد یہ کہ اگر وہ خود بھی

بھوک نہ ہونے پر کہتے : ___" میں کھانا نہیں کھاؤں گی ___" تو کوئی نہ کوئی خادمہ اُنھیں ٹوکتی ___

"چھوٹے نواب کھانا نہیں کھاؤں گی مت بولئے ___ کھانا نہیں کھاؤں گا بولئے ___" لیکن اُن کی زبان پر نئی بولی چڑھ ہی نہیں رہی تھی ___ مزے کی بات یہ ہوئی کہ ادھر بیٹیوں برکت، نکہت، مسرت نے اسکول سے آکر ہنس ہنس کر ماں کو بتانا شروع کیا :

"امی پہلے پہلے تو لڑکیاں خود ہمارا مذاخ نبالے کی یہ کیا لڑکوں کے جیسا بات کر رئیں جی ___ مگر اب تو تو بھی لڑکاں ہمارے ویسا لڑکوں کی طرح باتاں کرے رئیں ۔"

امی ناک پر انگلی رکھ کر بولیں : "تمہارے بابا حضور کے تو نرالے باتاں ہیں ماں ___"

ذاکر خاں اشرفیاں لے کر گئے تھے اور واپس بھی آ گئے ___

"حضور میں آدمی کی پہچان رکھتا ہوں ___ وہ نہیں مانیں ___"

"تھیلی بھر اشرفیاں واپس کر دی اُنھنے ___؟" نواب شوکت کا حیرت سے مُونہہ کھلا رہ گیا ___

"میں آپ سے پہلے ہی عرض کر چکا تھا ___"

"پھر اب ہم کیا کرنا ___" وہ پریشانی سے بولے ۔

"اب آپ بس یہ کیجیے کہ صاحب زادے کو خود وہاں بھجوا دیجیے ___" وہ رسان سے بولے ___

"دماغ خراب ہے آپ کا ___" شوکت نواب چیخے ۔ "ایک پاتر کے گھر ایک نواب زادہ پہنچ جاتے ___"

"علاج حضور علاج ___" ذاکر خاں سمجھانے کے انداز میں نرمی سے بولے ___

"اور تو کوئی صورت نظر نہیں آتی ـــــ وہ بی بی یہاں آنے پر راضی نہیں۔ آپ صاحبزادے کو وہاں بھجوانے پر راضی نہیں ـــــ آخر بات کیسے بنے گی ـــــ؟"

"کیا شہر کے سب پاتراں مر گئیں ـــــ کیا اُسی میں سُرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں ـــــ؟" نواب صاحب اُلجھ کر بولے ـــــ "آپ کسی اور کو ڈھونڈھئے ـــــ"

"میں تو ہزار ڈھونڈھ لوں ـــــ لیکن ڈاکٹر صاحب نے جس قابل اُستاد کے بارے میں فرمایا ہے وہ ساری خصوصیات تو اُنہی بی بی میں ہیں بس ـــــ آپ تو سمجھی گئے نہیں نا ـــــ ایک خلقت اُمڈی پڑتی ہے ـــــ کوئی تو بات ہو گی نا ـــــ" نواب صاحب بڑی دیر تک خاموش رہے پھر پوچھا ـــــ

"محل میں بیگم پوچھیں گی بچے کو کہاں بھجوا دیئے تو ـــــ؟"

"آپ کہہ دیں پہاڑ پہ بھجوا دیا ہے ـــــ"

"اچھی خاصی تو صحت ہے۔ پہاڑ پہ کاہے کو ـــــ یہ تو کوئی معقول بہانہ نہیں ہُوا ـــــ"

"تو یُوں کہہ دیجئے کہ ماشاءاللہ صاحب زادے اب جوان ہوئے ـــــ کام کاج سنبھالنا تو اُنہی کو ہے ـــــ زمینات اور موضعے کی دیکھ بھال اور جائزے کے لئے کچھ دنوں کے لئے گاؤں بھجوا رہے ہیں ـــــ اس پر تو بیگم صاحبہ معترض نہ ہوں گی ـــــ آخر مرد ہی کام سنبھالا کرتے ہیں ـــــ!"

تھوڑی دیر سوچ کر نواب صاحب بولے: "کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ روز جائیں اور شام کو یا رات پڑے واپس آ جائیں ـــــ؟"

"اس میں خرابی یہ ہو گی کہ جس ماحول کی یکسانیت انہیں درکار ہے وہ باقی نہیں رہے گی ـــــ رات کو یہاں آ جانے سے پھر وہی محل ہو گا، نہ ہی لڑکیاں، وہی ماحول۔ چند روز متواتر وہاں رہ جائیں گے تو ایک نئی دُنیا سے روشناس ہو جائیں گے۔ آخر تو پھر اُنہی

محل میں واپس آنا ہی ہے نا ـــــ؟"

"کہتے تو آپ ٹھیک ہیں ـــــ" اُنہوں نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا:

"اولاد کی محبت میں انسان کیسا کیسا خوار ہوتا ہے ـــــ ابھی موئی جانے حشمت اور کیا دکھاتی ہے ـــــ!"

محفل اپنے عروج پر تھی ـــــ سجے ہوئے بڑے کمرے کے ایک طرف مسند بچھی ہوئی تھی ـــــ زرکار، منقش ـــــ صرف وہ حصّہ جہاں بیٹھا کرتے ہیں مخملیں تھی، باقی سب طرف، حاشیوں میں وسط میں کارچوب کا کام کیا ہوا تھا ـــــ گاؤتکیوں میں پیٹھ سے مس ہونے والا حصّہ چھوڑ کر سلما ستارے کا جگمگاتا کام کیا ہوا تھا ـــــ اُس مسند پر کارچوب اور سلما ستارے سے بھی زیادہ جگمگاتی ہوئی ایک خوب صورت عورت بیٹھی ہوئی گا رہی تھی:

باغ میں گُل کھلے جاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں
اُنگلیاں سرو اُٹھاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں
جیتے جی کون عیادت کے اُٹھائے احساں
اِس لئے جان سے جاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

ذاکر خاں کے ہمراہ جب نواب سرفراز اس محفل میں قدم رنجہ ہوئے تو وہ اس شعر پہ تھی ؎

دیر تک صدکو لگی اے دلِ مشتاقِ جمال
دیکھئے ہم کو بُلاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

نواب سرفراز اپنے باپ پر ہی پڑے تھے ـــــ اداؤں میں نسوانیت کا انداز تھا تو کیا ہوا، تھے تو مرد ـــــ بھرپور، کھلائی پلائی ـــــ اٹھارہ سال کے تھے۔ لیکن اپنی عمر سے دُگنے لگتے تھے ـــــ اونچا پورا قد ـــــ بنی ہوئی تیار کاٹھی ـــــ مضبوط ہاتھ

پاؤں ــــ سُرخ و سفید رنگ ۔ گھنے گھنے ہلکی لچک لئے ہوئے سیاہ بال ــــ کالے مکھڑے کے کبھی خوب تھے ــــ جب تک بات نہ کرتے محفل میں موجود لوگوں کی نظر اُن پر سے نہ ہٹتی ــــ بس بات کرتے ہی سارا سحر ٹوٹ جاتا ــــ

اور اُس وقت تو وہ خاموشی کے ساتھ ہی داخل ہوئے تھے ــــ اور کس انداز سے ــــ چمکتا ہوا اطلس کا سفید پاجامہ ــــ ریشمی کپڑے کا کلی دار کُرتا، پٹیوں میں ہیرے کے بٹن جگر مگر کرتے ہوئے ــــ اُنگلیوں میں بھاری نگوں کی دو انگوٹھیاں ــــ موہنہ پہ ہلکا ہلکا پسینہ جو انہیں اور بھی جاذب نظر بنائے دیتا تھا ۔ ایک ہاتھ میں سفید جھاگ جیسا رومال سلیقے سے پکڑے ہوئے تھے ــــ اُن کی وجیہہ شخصیت کا سب سے دلکش پہلو اُن کے بال اُس وقت جمے ہوتے تو یہ حسن اور بانکپن پیدا نہ ہوتا ــــ ایک دو چھلّے ماتھے پہ آگرے تھے، جنہیں اُنہوں نے مارے گھبراہٹ کے پیچھے کرنے کی بجائے یونہی چھوڑ دیا تھا ــــ

گانے والی نے انہیں کن انکھیوں سے آتا دیکھا، حاضرینِ محفل نے پوری پوری آنکھوں سے دیکھا اور شعر کے بول مزا دے گئے ــــ اُن کے داخل ہوتے ہی مغنیہ نے دوبارہ جان کر وہی شعر پڑھا ؎

دیرِ قاصد کو لگی اے دلِ مُشتاقِ جمال
دیکھئے ہم کو بلاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

کسی نے آوازہ کسا :

"اجی حضرت اُلو خود ہی آگئے ــــ" اور سب نے بیک وقت نواب سرفراز کی طرف دیکھا جو جھینپے جھینپے گدیلوں پہ بچھی چاندنیوں میں سے ایک کے کونے پر ذرا اُدھر سے ٹِک گئے تھے ــــ

سازوں کے شور میں ایک قہقہہ بلند ہوا ۔ مغنیہ کے گانے میں کوئی خلل نہ پڑا ۔

وہ اپنی رس بھری آواز سے گاتی ہی رہی ——

ساتھ دُشمن کے وہ کیا آئے قیامت آئی
خاک میں ہم کو ملاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

لوگوں کی آدھی توجہ گانے سے ہٹ کر اب سرفراز کی طرف ہو گئی تھی —— نئے نئے دُولہوں کی طرح اُن کا محفل میں شرمائے شرمائے انداز سے بیٹھنا سبھی کو متوجہ کیے لے رہا تھا —— وہ کبھی کبھار ایک لمحے کو نظر اُٹھا کر حاضرین کو دیکھتے، پھر گانے والی کو دیکھ کر فوراً نظر جُھکا لیتے —— ایک بار اُنہوں نے ایسے ہی اُچٹتی ہوئی نظر سے مغنیہ کو دیکھا تو وہ مُسکرا کر گانے لگی ——

کون آتا ہے بُرے وقت کسی کے پاس لئے فارغ
لوگ دیوانہ بناتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

اس کے بعد اور غزلوں کی فرمائشیں ہوئیں —— وہ گاتی رہی، سُننے والوں کا دل لُبھاتی رہی —— سرفراز نواب شرما شرمی بیٹھے سُنتے رہے —— وہ ان کی جھجک کو مُسکرا مُسکرا کر دیکھتی اور مزے لیتی رہی ——

رات گئے جب محفل برخاست ہوئی، ساز بڑھا دیے گئے —— مرجھائے پھولوں کی پتیوں اور تھالیوں میں پڑے سوکھتے پانوں کو سمیٹ کر چاندنیاں جھٹک دی گئیں۔ تو بھی نواب سرفراز اُسی چاندنی پر، اُسی کونے میں، اُسی انداز سے ٹکے بیٹھے رہے —— سب لوگ اُٹھ کر چلے گئے —— مغنیہ نے ہنس کر اُن کی طرف دیکھا —— اپنی جگہ سے اُٹھ کر اُن کے قریب آئی ذرا دوری پر ہی رُک کر مُسکرائی ——

"کہیے قبلہ —— اب کیا ارادے ہیں ——" نواب سرفراز اسکول میں داخل ہونے والے پہلے دن کے بچے کی طرح کسمسا کر رہ گئے ——

"آپ نے ——" وہ رُک رُک کر کھلکھلا کر بولی، "کوئی جواب نہیں دیا حضور!"

اب کی بار اُنہوں نے سر اُٹھا کر ایک لمحے کو دیکھا ـــــ مجھ سے کہلایا گیا ہے کہ آپ کی شرم و حیا دُور کروں ـــــ کیسے کروں گی ـــــ" وہ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر بولی : "سخت مشکل ہے"

نواب سرفراز یونہی بیٹھے رہے ـــــ چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تک نہ آئی ـــــ گھبراہٹ البتہ ہو رہی تھی ـــــ

"منہ میں موتی ہیں کیا ـــــ؟ اچھا بات کر لے سے گر جائیں گے ـــــ! اسی لئے مُنہ نہیں کھول رہے ہیں نا آپ ـــــ!!" وہ ہنسی ـــــ "اچھا ـــــ وعدہ رہا ـــــ سارے موتی سمیٹ کر آپ ہی کو دے دوں گی ـــــ چور نہیں ہوں ـــــ" ساری باتوں کے جواب میں نواب سرفراز نے اتنا کہا :

"نیند آتی ہے میں سوتی ـــــ" وہ ہنس کر بڑے لاڈ سے بولی : "تو سوتی تو میں کب جاگتی ـــــ میں بھی سو جاؤں گی ـــــ" نواب سرفراز نے اُس کے اس انداز پر چونک کر اُسے دیکھا تو وہ بڑے عجیب سے لہجے میں کمر پہ ہاتھ رکھ کر بولی .

"مرد ہیں تو مردوں کی طرح بات کیجئے نا ـــــ یا پھر کنگن پہن لیجئے ـــــ لیکن آپ کے ہاتھ تو مردوں ہی کی طرح مضبوط اور بڑے بڑے ہیں ، میرے کنگن چھوٹے پڑ جائیں گے ـــــ خیر سنار سے کہہ کر بڑے بنوالوں گی ـــــ" نواب سرفراز کو اس کے طعنے بھرے اندازِ گفتگو سے عجیب کوفت ہوئی ـــــ محل میں تو بچپن سے لے کر آج تک کسی نے ایسی بدتمیزی اور تیزی سے بات کرنے کی جرأت نہیں کی تھی ـــــ ذرا غصے سے بولے :

"کیا میں چوڑیاں پہنوں گی ـــــ؟"

"انداز تو یہی بتاتے ہیں کہ آپ چوڑیاں بھی پہنیں گے ، دوپٹہ بھی اوڑھیں گے، مہندی بھی رچائیں گے اور ـــــ" وہ ہنسی ـــــ "سنگھار بھی کریں گے ـــــ"

"ذاکر چچا بولے کتنے گاؤں سے جا رہیں ـــــ امی حضور سے جھوٹ بولے اُنوں ـــــ میرے کو کال لا کے پٹخ دیئے ـــــ" اُن کے لہجے میں غصہ بھرا ہوا تھا ـــــ

"بہت بُری جگہ ہے کیا یہ ـــــ" وہ ناک چڑھا کر بولی ـــــ انہوں نے سر اٹھا کر پہلی بار کھُلی اور پوری آنکھوں سے اُس کا چہرہ دیکھا ـــــ خوبصورت چہرے پر جڑی ہوئی تیکھی سی ناک، جس میں ایک ننھی جھلملا رہی تھی اور اُس نے اُس وقت ناک سکوڑی ہوئی تھی اور نیلا دا۔ بنی ہوئی تھی ـــــ

"نئیں تو کیا اچھی ہے ـــــ" وہ اُس کے چہرے کو بڑے غور سے دیکھتے ہوئے بولے،
"پلنگ ہے نا مسہری ـــــ" آپ نے کیا سمجھا تھا ایسے ہی کسی سرائے میں چلے آئے ہیں؟
آئیے میرے ساتھ ـــــ اُٹھئے، آپ کو آپ کا کمرہ دکھا دوں ـــــ" وہ تحکّم سے بولی۔
وہ اُٹھے ـــــ کس قدر بلند و بالا شخصیت ہے! اُس نے سوچا ـــــ وہ اُن کے سامنے کتنی چھوٹی سی لگ رہی تھی ـــــ اُن کی شخصیت کے سامنے دب کر رہ گئی تھی ـــــ کوئی نہیں کہہ سکتا یہ اُن سے بڑی ہوں ـــــ اُس نے اپنے آپ میں سوچا ـــــ وہ اپنے سفید سفید پیر سلیم شاہی جوتیوں میں پرو چکے تھے ـــــ آگے پیچھے چلتے چلتے وہ ایک آراستہ پیراستہ کمرے میں پہنچ گئے ـــــ وہ کمرے کی نفاست اور سجاوٹ کو مونہہ اُونچا کر کے دیکھا کئے ـــــ بولے کچھ نہیں ـــــ آنکھوں نے البتّہ پسندیدگی کی جھلکی دکھا دی۔
"ہم تو بس ایسے ہی ہیں فقیر لوگ ـــــ آپ نواب صاحبان! اللہ ہی جانے کیسے قیام کر سکیں گے ـــــ" وہ اُنہیں جلانے کو بولی اور مونہہ پھیر کر مسکرانے لگی ـــــ انہوں نے اُس کی طرف دیکھا تو وہ کہیں اور دیکھ رہی تھی ـــــ پھر وہ پلٹی اور اُنہیں سمجھانے لگی۔
"دیکھئے آپ کا سارا سامان وہ ساتھ والے چھوٹے کمرے میں ہے ـــــ کپڑے الماری میں لگا دیے گئے ہیں ـــــ جوتوں کا غالباً آپ کو بہت شوق ہے۔ ڈھیر سارے آئے ہیں تھوڑے بہت اس خانے میں ـــــ سنگھار میز کے نیچے والے خانے میں رکھ دئے ہیں۔ باقی چھوٹے کمرے میں ـــــ آپ تو دیر سے آئے۔ بگھی بھر سامان شام ہی کو پہنچ چکا تھا۔ میں نے سینت سجا کر رکھ دیا تھا ـــــ تولیں کھونٹی پر بھی ہیں اور ساتھ والے حمام میں بھی ـــــ

ضرورت کی ہر چیز آپ کو مل جائے گی ـــــ صرف میں نہیں ملوں گی، اس لئے کہ آپ کو میری ضرورت نہیں ہے ـــــ،،

"نہیں ـــــ نہیں ـــــ،، وہ اپنا انگوٹھوں والا مضبوط ہاتھ بڑھا کر بولے ـــــ ایسی بات نہیں ـــــ آپ تو ـــــ آپ تو ـــــ،،

"آپ تو ـــــ کیا ـــــ بات پوری کیجئے نا ـــــ وہ شریر سی ڈھٹائی سے بولی: "تنزل تو بھی کر میں گیا ہوں! مگر وہ جھجک کے مارے اپنی بات پوری نہ کر سکے ـــــ کمرے میں یہاں سے وہاں تک نرم گدگدا قالین بچھا ہوا تھا ـــــ قالین ہی پر ایک طرف اخروٹ کی لکڑی کا منقش صوفہ سیٹ لگا ہوا تھا ـــــ کونے میں ایک طرف دیوار گیر الماری تھی ـــــ دیوار سے لگ کر بیچ میں بڑا سا چھپر کھٹ جس پر چھت گیری ہوتی تھی۔

انہوں نے ایک نظر اُسے دیکھا اور آگے بڑھ کر دھیرے سے صوفہ پر بیٹھ گئے۔

"آپ بھی بیٹھئے نا ـــــ،، وہ بہت نرمی سے بولے۔

"خدا کا شکر ہے اتنے اخلاق مند تو ہیں ـــــ،، وہ بھی دوسرے صوفے پر ٹک گئی ـــــ "آپ کے لئے چائے کھانے کا بندوبست کروں ـــــ،،

وہ جلدی سے بچّوں کی سی بے تابی سے بولے: "کھانا تو میں کھا کر آگئی تھی ...،،

ایک دم اُس کی ہنستی ہوتی آنکھوں کو دیکھ کر جیسے ان کی زبان کو روک لگ گئی۔ محل میں پچھلے تین چار دنوں سے مُسلسل ایک دوسرے کی خبر لی جا رہی تھی، انہیں بھی اُکسایا جا رہا تھا کہ زبان بدلیں۔ لیکن اُن پہ کوئی اثر ہی نہیں ہو رہا تھا ـــــ اس وقت وہ خود ہی رُک گئے ـــــ پھر تھوڑی دیر بعد بولے ـــــ

"میں کھانا کھا کو آگیا تھا ـــــ،،

"دیکھئے ـــــ،، وہ تعریف بھرے لہجے میں بولی ـــــ "صرف ایک جملے نے آپ کی شخصیت کو کتنا بدل دیا ـــــ آخر آپ ایسی بات کرتے ہی کیوں ہیں ـــــ،،

وہ شکایتی انداز سے بولے :— "سچی ایچ تو ایسی بات کرتے میں کرن تو کیا ہوا۔"

ایک دم اُنہوں نے رومال والا ہاتھ مُونہہ پر رکھ لیا —— "میں کرا تو کیا ہوا ——" پھر خود ہی ہنس پڑے ——

"آپ کو نیند آ رہی ہو گی ——" وہ بھی ہنستے ہوئے بولی۔

"اب میں چلوں —— بڑے فانوس کا بٹن یہ نیچے والا ہے —— رات کی ہلکی بتی کے لئے یہ والا بٹن دبائیے گا —— آں ——؟" اُس نے بڑی ادا سے جھک کر آں کہا۔

نواب سرفراز بے چینی سے بولے :— "آپ کو نیند آ رہی ہو میں گی تو ویسا بولئے میرے کو تو نئیں آ رئی ——" وہ سمجھ گئی کہ وہ اُسے روکنا چاہ رہے ہیں لیکن شرم اور جھجک اجازت نہیں دیتی —— مُسکرا کر بولی۔

"میں تو رات رات بھر بھی جاگوں تو نیند نہیں ستاتی ——"

"تو پھر بیٹھئے نا ——" بالآخر وہ بول ہی گئے ——

"آپ کی نیند خراب ہو گی ——"

"میرے کو نیند نئیں آ رئی ——"

"ابھی تھوڑی دیر پہلے تو آپ کہہ رہے تھے کہ نیند آ رہی ہے میں سوتی ——" اُس کے ہنسنے پر وہ شرمندہ سے ہو گئے —— بولے :

"اصل میں زندگی میں پہلی بار امی جِنضُور، ہور محل سے اَلگ ہوئی —— ہوا نا" اُنہوں نے جلدی سے خود ہی اپنی غلطی دُرست کر لی ——

وہ چخ چخ کر کے بولی :— "بھئی یہ تو بہت ہی بُرا ہوا کہ اتنے ننھے منے سے پاپا کو امی سے الگ کر دیا گیا —— دودھ کی بوتل کا انتظام کروں ؟"

وہ معصومیت سے بولے : "آپ تو ہم سے مذاق کر لیے ہیں ——"

وہ اپنے کنگنوں سے کھیلتی ہوئی بولی : مذاق نہ کروں تو اور کیا کروں —— آپ دیکھنے میں تو اچھے خاصے مرد ہیں اور باتیں ایسی کرتے ہیں ——"

"اب سے میں کروں گی —— نہیں کروں گا ——" ایک ساتھ دونوں ہنسنے لگے ——

"اچھا جناب آپ نے اپنا نام تو بتایا ہی نہیں ——" وہ ہنستے ہنستے بولی ——

"نواب سرفراز سطوت ——" وہ ذرا اکڑ کر بولے۔

"شاباش ——" وہ زور سے ہنس کر بولی —— اچھے بچے اپنے نام کے آگے نواب ضرور لگایا کرتے ہیں ——"

وہ حیرت سے بولے : "ایسا نہیں بولنا کیا ——"

"نہیں بولیں گے تو کیا آپ نواب نہیں رہیں گے ——؟" وہ پھر نرمی سے بولی۔

"اگر زندگی بھر آپ کو یہی احساس رہا کہ آپ نواب ہیں تو دانستہ، نادانستہ آپ سے کتنے دل ٹوٹیں گے ——" اچانک اُس کا لہجہ دُکھ سے بھر گیا ——

وہ کچھ نہ سمجھے ——" اب سے نہیں بولوں گی —— نہیں بولوں گا ——" اس بار وہ نہ مسکرائی نہ ہنسی —— تھوڑی دیر یونہی خاموش رہی —— پھر نواب سرفراز ہی بولے ——

"آپ تو اپنا نام بتاتے ہی نہیں ——"

"توبہ ——" وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔

"آپ کس بات پر توبہ کر رہیں ——" وہ حیرت سے بولے تو وہ ذرا تکلیف سے مُسکرائی ——

"میرا نام ہی توبہ ہے ——"

"یہ ایسا کیسا نام ہے —— دادی ماں تو بولتے کی گناہ بہوت کرے تو توبہ کرتے۔

نام تو توبہ نہیں ہونا چاہیئے نا ——"

"لوگ گناہ کرتے ہیں تو توبہ کرتے ہیں —— میں تو سراپا گناہ ہوں —— کتنی توبہ کرتی اس لئے اپنا نام ہی توبہ رکھ لیا ——" وہ دُگنی حیرت سے بولے۔

"آپ کا نام آپ خود اپنے رکھ لئے —— ماں باپ نہیں رکھے ——"

"ہماری دُنیا میں ہم خود ہی اپنے نام رکھ لیتے ہیں ——"

"آپ کی دُنیا کون سی ہے ——" وہ تھوڑی دیر چپ رہ کر بولے۔

"میں ایک طوائف ہوں —— پاتر ——"

اٹھارہ سال کا ایک جوان مرد —— بھلے اُس کے انداز نسوانی ہوں —— لیکن جو پڑھا لکھا بھی ہو —— بچپن سے خاندان بھر میں ناچ رنگ کی محفلیں بھی دیکھ چکا ہو، ایک نوابی ماحول کا مرد ہو —— وہ اس نام سے چونک تو نہیں سکتا —— وہ تھوڑی دیر اُس کے معصوم چہرے کو دیکھتے رہے پھر بڑی سچائی سے بولے :

"مگر آپ کے چہرے سے تو نہیں لگتا ——"

"چہرہ —— کتاب نہیں ہوتا —— پھر بھی پڑھا جا سکتا ہے —— آپ نے چہرے کی کتاب تو پڑھ لی لیکن ماتھے کی وہ تحریر نہیں پڑھی جو میرا مقدر ہے ——" نواب سرفراز اُلوؤں کی طرح اُس کا مونہہ دیکھتے رہے ——!

اُس کے چلے جانے کے بعد بھی بڑی دیر تک انہیں نیند نہیں آئی —— لیکن انہیں سخت حیرت یوں تھی کہ یہ بے خوابی ماں، باپ، دادی یا بہنوں سے بچھڑنے کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ وہ جوانی سے صرف ایک دیدار آرٹے تھی اسی کے بچھڑنے یا چلے جانے کی وجہ سے تھی ——

صبح نئے انداز سے جلوہ گر ہوئی —— محل میں جب وہ صبح ہی صبح —— اور ان کی صبح دس گیارہ بجے سے پہلے نہیں ہوتی۔ اُٹھتے تھے تو جو طرف سے چھوکریاں انہیں

گھیر لیتی تھیں ——

"ایو چھوٹے نواب اب اُٹھئے نا ——"

"اللہ پاشا پانی ٹھنڈا ہو کو جاہا ——"

"چھوٹے نواب پر اُٹھے اُجاڑ لکڑی کے ٹکڑے ہو جائیں گے ——"

"چھوٹے پاشا —— آپ آج چیلا کھاتے کی تباشہ کی اُبلاوا انڈہ ——"

ادھر سے ایک پاؤں دباتی —— دوسری سر میں مالش شروع کر دیتی —— کوئی اُنگلیاں چٹخاتی اور یہ مزے مزے میں کروٹوں پہ کروٹیں لئے جاتے —— بیچ بیچ میں چھوکریوں کی گردان جاری رہتی ——

"ایو سرکار اب کب تک پڑے رہتے ——"

"اُٹھتی نا ابھی ——" وہ سستی بہکالیتے —— ہاتھ پاؤں تناتے۔

یہاں ابھی ملگجا ملگجا اُجالا اور ہلکا ہلکا اندھیرا باقی ہی تھا کہ کسی نے مترنم آواز سے تلاوت کرنی شروع کر دی —— اُنہوں نے پڑے پڑے سوچا کہ وہ کہاں ہیں —— پھر رات کا اپنا آنا یاد آگیا —— تلاوت کی آواز بند ہوئی —— پھر دھیرے دھیرے ایک چاپ اُن کے کمرے تک پہنچی۔ کوئی دروازے میں رُک گیا۔

"آپ نماز کے لئے اُٹھیں گے ——؟" وہی آواز تھی —— رات والی۔

دوسرے کمروں میں ہل چل ہو رہی تھی —— پتہ نہیں لوگ جاگ اُٹھے تھے یا سوئے ہی نہیں تھے —— اُن کی کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا جواب دیں —— وہ ابھی تک دروازے ہی میں کھڑی تھی —— یہ اپنے بستر پر اُٹھ کر بیٹھ چکے تھے —— پھر وہ اندر آئی —— بٹن دبا کر اُجالا کیا —— دیکھا تو وہ سر جھکائے بستر پر بیٹھے تھے۔

"آپ تو سرفراز ہیں نا —— سرفراز کے معنی آپ کو معلوم ہیں ——؟ سر بلند۔ پھر آپ یوں سر جھکائے کیوں بیٹھے ہیں ——؟" اُنہوں نے سر اُٹھا کر اُسے دیکھا ——

کس قدر نکھری اور ستھری صاف شفاف اور نفیس عورت تھی —— رات کا سراپا ابھی تک آنکھوں میں تھا —— انہوں نے پہلی بار کسی عورت کو ساڑی میں دیکھا تھا —— گھر میں دادی اماں سے لے کر، امی حضور تک اور بہنوں سے لے کر نوکرانیوں تک سب چوڑی دار اریبی پاجامے، یا کھڑے چارکلی کے پاجامے یا آڑے پاجامے کرتے پہنتی تھیں —— اس پر اوڑھنیاں یا چھ گزی کھڑے دوپٹے —— ساڑی کا محل میں چلن نہیں تھا —— بابا حضور امی کے لئے دو تین موقعوں پر ساڑیاں لائے تھے لیکن وہ ساس کے ادب اور خوف سے پہنتی نہ تھیں —— دادی اماں کہتی تھیں :

"یہ پاتروں کا پہناوا ہے اُجاڑ ——"

رات کو اُس نے ہلکے نیلے رنگ کی باریک بے جبٹ کی ساڑی اور اسی رنگ کا بلاؤز پہن رکھا تھا —— ساڑی پر نیلے بادلے کی کامدانی ٹری ہوئی تھی —— زیوروں میں بھی نیلے رنگ کے نگ جڑے ہوئے تھے —— ہاتھوں میں نیلے نگوں کا حیدرآبادی جوڑا تھا جو ہر جنبش کے ساتھ جھل جھل کرنے لگتا تھا —— آنکھیں، جو قدرتی طور پر نیلاہٹ لئے ہوئے تھیں، لباس کے ساتھ بُری طرح میل کھا رہی تھیں —— نیلے لباس میں گلابی چہرہ پھول کی طرح رکھا ہوا تھا —— کانوں میں لمبے لمبے جھمکے لئے ہوئے نیلے آویزے اور گلے میں نیلا جڑاؤ گلوبند —— پھر اس کا پلّو سنبھالنے کا نازک بھرا انداز —— جب بھی آنچل ڈھلک جاتا، وہ لمبی لمبی کافور کی بتی انگلیوں سے، دو چٹکیوں سے شانے کے پاس سے ساڑی کو پکڑتی اور دھیرے سے مرمریں گردن تک لے جا کر پلّو یوں ٹکا دیتی کہ ساڑی پر ٹانکا ہوا طلائی حاشیہ تو جیسے اُٹھتا۔

اور اب وہ سفید ساڑی اور سفید ہی بلاؤز میں ملبوس نورانی چہرہ لئے اُنہیں جگا رہی تھیں —— نہ جسم پر زیور تھا نہ رات والا سنگھار —— لیکن اس وقت یہ چہرہ رات سے کہیں زیادہ پاکیزہ لگ رہا تھا۔

"آپ منہ ہاتھ دھوئیں تو چائے ناشتہ بھجواؤں ——" وہ ایک چھلانگ مار کر بستر سے اُترے۔

"نہیں میں پہلے نماز پڑھوں۔۔۔ گا ——" وہ ذرا رُک کر بولے اور اُسے دیکھ کر مسکرائے۔

"مجھے پتہ تھا محل میں آپ نماز پڑھتے ہوں یا نہ پڑھتے ہوں —— یہاں ضرور پڑھیں گے —— دیکھئے رات ہی کو میں نے جانماز مسہری کے سرہانے لٹکا دی تھی۔"

ناشتہ کرے میں ہی لگ گیا تھا —— وہ پراٹھے کا نوالہ توڑتے ہوئے بولے۔

"اتنی صبح آپ کیسا اُٹھ گئے —— ؟"

وہ ہنسی —— "میں سوتی تو اُٹھتی نا —— میں رات سے ہی جاگ رہی ہوں۔"

"وہ کاہے کو —— ؟" وہ حیرت سے بولے —— "آپ کو نیند نہیں آتی —— ؟"

وہ ایک ٹھنڈی آہ بھر کر بولی —— "نیند ہی تو نہیں آتی ——" ایک دم وہ بات کا موضوع بدل کر بولی ——

"آپ جلدی سے ناشتے سے فارغ ہولیں تو باغ میں ہوا خوری کو چلیں گے ——"

"آپ کے گھر میں باغ ہوتا —— ؟" وہ بچوں کی سی خوشی سے بولے۔

"ایسے ہی غریبانہ سو چھوٹا سا باغ میں نے اپنے ہاتھوں سے لگایا ہے۔"

"پھر تو وہ بہت اچھا ہوئیں گا ——" وہ ایک مرد کی طرح بولے۔

"کیوں ایسی کیا خاص بات ہو گئی ——" وہ ترچھی نظر سے دیکھتے ہوتے بولی۔

"نہیں ایسے ہی —— بولا ——" اور وہ جھینپ کر ہنس دیے۔

"ارے میں بھی کیا بداخلاق ہوں —— آپ کو کھانے کو بھی نہیں بولا ——" وہ ندامت سے بولے "کھائیے نہ کچھ ——"

"یہ حکم ہے یا اصرار ——" وہ مُسکرائی۔

"میں کیا حکم دیوں گی ـــــ نہیں نہیں میں کیا حکم دیوں گا ـــــ"

"کیوں آپ حکم کیوں نہیں دے سکتے ـــــ پتہ ہے آپ کی خدمت کے لئے مجھے پانچ ہزار روپے ماہانہ دئے جائیں گے ـــــ اس حساب سے میں آپ کی باندی ہوئی۔ آپ میرے آقا ـــــ"

باہر چڑیاں چوں چوں کرنے لگی تھیں ـــــ پرندے چہچہا رہے تھے۔ ٹھنڈی اور خوشگوار ہوا اپنے دامن میں خوشبوؤں کو لئے ہی چلی آ رہی تھی ـــــ ایسا منظر نواب سرفراز نے کبھی نہیں دیکھا تھا ـــــ اور ایسی باتیں بھی کبھی نہیں سُنی تھیں اور ایسی دوسری دُنیا سے آئی ہوئی مخلوق، جیسی کہ یہ عورت تھی، بھی کبھی نہیں دیکھی تھی ـــــ ان کا دل عجیب سے جذبات سے بھر گیا ـــــ سنجیدگی سے بولے۔

"زندگی میں آج تک کوئی ہمارا دِل نہیں دُکھایا ـــــ آپ کاہے کو دُکھاتے؟"

دِن ایسے گزر رہے تھے جیسے سونے کے چھلّے میں سے ریشمی دوپٹہ ـــــ سَر سَر ـــــ سَر سَر شادی میہمانی میں کبھی ماں بہنوں کے ساتھ نواب سرفراز بھی جاتے تو ریتوں رسموں کو بڑے چاؤ اور حیرت سے مُونہہ کھولے دیکھتے ـــــ ایک رسم انہیں بہت اچھی لگتی تھی ـــــ دُولہا آرسی مصحف کے لئے دُلہن کے تخت تک لایا جاتا ہے، لیکن سُسرال والیاں خاص طور سے سالیاں، اور جوان بھابیاں، موماییاں، رشتے ناتے کی سُہاگنیں چڑھنے نہیں دیتیں ـــــ روکے رکھتی ہیں "جب تک اس چھلّے میں سے ریشم کا دُلہن کا دوپٹہ نہیں گزاروگے اوپر نہیں چڑھنے دیں گے ـــــ لیکن شرط یہ ہے کہ ایک ہی ہاتھ سے چھلّا بھی پکڑو اور دوپٹہ بھی سنبھالو ـــــ" کوئی کوئی گھامڑ تو دونوں ہاتھ لگا دیتے اور پھر نیگ کے روپے لے کر ہی ان کو چھوڑا جاتا ـــــ اور کوئی کوئی مہارت سے اِدھر چھلّا پکڑا، چھوٹی انگلی میں ڈالا ـــــ دانتوں سے دوپٹے کا کونا پکڑ کے چھلّے میں سے گزارا اور سر سر دوپٹہ چلا منزل کو ـــــ اِدھر شور مچ جاتا ـــــ

"اے ہے یہ تو بے ایمانی ہے ـــــ ایک ہاتھ میں کرنا تھا ـــــ یہ تو دانتوں سے پکڑے رہے ـــــ"

دُولہا والیاں بولتیں : ـــ" اَئی واہ دانتوں کی منا ہی تھی کیا ـــــ وہ تو دوسرے ہاتھ کو منع کرے تھے ـــــ" اِدھر ہنسی ہوتی رہتی اِدھر دُوپٹہ چھلّے سے پار بھی اتر جاتا۔ بس اُسی طرح ان کے بھی شب و روز سونے کے چھلّے میں سے ریشم کی طرح سَر سَر گزر رہے تھے ـــــ نکلے جا رہے تھے۔

اب وہ محل واپس جائیں گے تو کیا کریں گے ـــــ ؟" یہ سوال بار بار اُن کے ذہن میں آتا تھا ـــــ اس نے انہیں بتایا تھا کہ وہ دو مہینوں کے لئے یہاں بھجوائے گئے ہیں ـــــ پہلی بات تو انہیں یہی نہیں معلوم تھا کہ آخر وہ کس وجہ سے یہاں بھیجے گئے ہیں لیکن اب بھیج ہی دئیے گئے تھے تو واپس کیوں بلائے جائیں ـــــ ؟ ابھی کُل چھ دن ہی ہوئے تھے اور یہاں ان کا ایسا دِل لگ گیا تھا کہ وہ دِل ہی دِل میں سوچ رہے تھے کہ بابا حضورؐ سے کہہ دیں گے کہ کیسا بھی کر کے میرے رہنے کا اب یہیں انتظام کر دیتے۔

ایک عجیب نرالی دنیا تھی یہاں کی بھی ـــــ پہلے دن جب وہ آئے تھے، رات کا وقت تھا ـــــ مسند پر سامنے ہی وہ گانا گاتی بیٹھی تھی ـــــ ساتھ میں سازندے تھے ـــــ اندر باہر کچھ لڑکیاں اور عورتیں بھی آ جا رہی تھیں ـــــ جب کچھ اندازا انہیں نہ ہو سکا تھا ـــــ اب پتہ چلا تھا کہ وہ سب بھی ناچتی گاتی تھیں ـــــ چھ دنوں سے خود اُس نے تو پھر محفل نہیں سجائی، دوسری لڑکیاں البتہ آنے والوں کا ناچ گانے سے دِل بہلاتی تھیں۔ انہوں نے ایک دِن پوچھا بھی ـــــ

" پہلے تو آپ گاتے بیٹھے تھے ـــــ جس دِن میں آیا تھا ـــــ اب کیوں نہیں گاتے آپ ـــــ ؟"

"گاؤں گی ـــــ ناچوں گی بھی ـــــ یہ تو میرا پیشہ ٹھیرا ـــــ اصل میں آپ کے

آنے کی خوشی میں سمجھئے یا آپ کی دل بستگی کی خاطر، میں نے چھٹی کر رکھی ہے ———"
"لوگاں آپ کا نام لے لے کر بہت پکارتے ——— نا؟" روزانہ رات کو محفل سجتی اور دوسری لڑکیاں گانے بجانے بیٹھتیں تو وہ بھی سرفراز نواب کو لے کر وہیں آجاتی اور گلدستے کی طرح سج جاتی ——— گھر کے سارے لوگ اُسے بی بی کہتے ——— چھوٹی لڑکیاں بی بی آپا کہتیں ——— لڑکیاں گاتی رہتیں اور لوگوں کی نگاہیں اسی پر جمی رہتیں ——— گانے والی لڑکیاں خنّت منّت کر کے اسے آمادہ کرتی رہتیں۔

"بی بی آپا ——— اب آپ آجائیں یہاں ——— سب لوگ آپ کی آواز کے ملتجی ہیں"
"بی بی آپا ——— نہیں گائیں تو کم سے کم ہمارے سامنے آکر تو نہ بیٹھئے ——— ہماری سُبکی ہوتی ہے ———" وہ مُسکرائے جاتی ——— ایسا وقار اس کے چہرے پر تھا کہ لوگ نظر بھر کر دیکھنے کی بھی ہمت نہ پاتے ——— ایسی کوئی بھاری بھرکم شخصیت بھی نہیں تھی ——— موزوں قد و قامت کی ایک خوب صورت عورت ضرور تھی، لیکن بے پناہ ملاحت ——— بعض عورتیں اس قدر حسین، اتنی نفیس، اتنی باوقار اور کچھ ایسا رعب حسن لئے ہوتی ہیں کہ مرد ان کی تمنّا تو کرتے ہیں ——— لیکن چھوتے ہوئے ہمت نہیں ہوتی ——— ایسی عورتوں کو عزت لُٹنے کا خطرہ نہیں ہوتا ——— مرد انہیں جی جان سے چاہتے ہیں ——— وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ عورت چھونے کے لئے ہی بنائی گئی ہے، پھر بھی وہ رعبِ حسن سے گھبرا جاتے ہیں ——— نظر بھر کر دیکھ بھی نہیں پاتے۔

اور وہ بھی انہی عورتوں میں سے ایک تھی۔

وہ دِن نواب سرفراز کی زندگی کا سب سے خوب صورت دن تھا۔ ایسا لذّت آمیز دن

کر وہ دونوں اس نشے میں سرشار رہے۔

محل میں یہ ہوتا تھا کہ جو نواب سرفراز نے کہہ دیا پتھر کی لکیر ـــ کسی کی مجال نہ تھی کہ حکم سے سرتابی کرے، ذرا کسی بات پر غصہ ہوئے اور لڑکیوں کی فوج کی فوج منانے اور خوشامد کرنے کے لئے تیار، اور یہ ہیں کہ مزید اینڈتے جا رہے ہیں مگر من کر نہیں دیتے ـــ آنے کے کوئی آٹھویں دن کی بات تھی کہ نواب سرفراز نے اس سے اچانک ہی کہا۔

"آج آپ بہت خوب صورت لگ رہی ہیں ـــ"

"اچھا ـــ" وہ ہنسی "آئینہ دیکھ کر رائے دوں گی۔ آپ کی پسند کا کیا بھروسہ۔" وہ بھی ہنس دیئے۔ بولے:

"آج آپ اور میں ذرا گھومنے چلیں گے ـــ"

"گھومنے ـــ؟" وہ آنکھیں پھیلا کر حیرت سے چلائی: "کہاں؟"

"ایسا اچ ـــ پتھر گٹی ـــ چار مینار ـــ لاڈ بازار اور پھر ... ..."

"بس ـــ بس ـــ بس ـــ" وہ شرارت کے موڈ میں تھی "بہت گھوم لئے بھئی ـــ تھک کر چور ہو گئی میں تو ـــ" وہ سمجھ گئے کہ یہ ٹال رہی ہے۔ ذرا غصے ہو کر بولے ـــ

"تو آپ نہیں چلیں گے کیا ـــ؟"

"میرا کہیں آنے جانے کو جی ہی نہیں چاہتا ـــ"

"تو پھر آپ میرے سے بات بھی نہیں کرنا ـــ" وہ غصے میں بھر کر بولے تو وہ الٹ کر بولی۔

"تو آپ کیا سمجھتے ہیں کہ میں آپ کے لئے مری جا رہی ہوں؟ ارے جناب آپ ایک دن بات نہیں کریں گے تو میں سو دن نہیں کروں گی۔ آپ خود کو سمجھتے کیا ہیں۔ ہونہہ۔" اور وہ پیر پٹختی اُن کے کمرے سے نکل گئی۔

"اُئے!" وہ ترنانے میں آگئے ـــــ یہ تو سچ مچ بگڑ کر ہی چلی گئی ـــــ بجائے اس کے کہ مجھے مناتی، خود ہی غصّے ہو کر بیٹھ گئی ـــــ ارے باپ!

انہیں پھر بھی ایک آس تھی کہ شاید وہ آئے لیکن دوپہر کے کھانے پر وہ نہ کی طرح وہ بلانے نہیں آئی ـــــ بلانا کیا وہ تو خود ہی انہی کے کمرے میں ان کا اور اپنا کھانا لے کر آجاتی تھی اور ساتھ بیٹھ کر ہنسی مذاق، شرارت اور چہلوں کے درمیان کھانا چلتا رہتا تھا ـــــ آج وہ کھانا لے کر کیا آتی، بوسیدہ سا لے خانساماں آکر دروازے میں اڑ گیا۔

"نیاب صاب کا نا کدر پہونچاؤں؟"

انہیں بے حد غصّہ آیا "کھانا کدھر پہنچاؤں ـــــ" اس شخص کی بات چیت میں حرف "ہ" کا کوئی گزر ہی نہیں ـــــ کہاں تو وہ ہنسی سے بھرپور باتیں، ہنستا ہنساتا چہرہ۔ ہری بھری ادائیں اور کہاں یہ بڈھا جس کی بات میں "ہ" بھی نہیں آتا۔ ہنسی کیا آئے گی ـــــ غصّے سے تپ کر بولے:

"تمہارا نام کیا ہے جی ـــــ؟"

وہ ادب سے بولے: "ایدر میاں" (حیدر میاں) آج ان کو ہر بات پر غصّہ آرہا تھا نام دیکھو تو ایدر میاں ـــــ بات سنو تو، کانا کدر پونچاؤں" خوب غصّے سے بولے:

"بھاگ جاؤ ـــــ"

وہ نرمی سے بولے "باگ جاؤں؟"

انہیں شدید غصّے میں خیال آیا کہ ہو نہ ہو، یہ اس کی شرارت ہے اور اسی نے مجھے جلانے کے لئے اس سڑے مارے بڈھے کو بھجوا دیا ہے ـــــ چھلانگ لگا کر بستر سے نکلے اور سیدھے اس کے کمرے میں ـــــ وہ بڑے سکون سے لیٹی ہوئی تھی۔

"آپ کے یہاں مہمانوں سے ایسا ہی سلوک ہوتا ہے کیا؟" وہ غصّے سے لال پیلے ہو رہے تھے ـــــ اس نے انہیں ذرا سا مسکرا کر دیکھا مگر پھر منہ پھیر لیا۔

تلے کے ایک بے ہودہ بُڈھے کو میرے سر لاد دیے۔ آپ خود کھانے کا پوچھنے نہیں آسکتے تھے؟" ان کے اس طرح چیخنے چلّانے پر اس نے صرف ایک نظر انہیں دیکھا وہ ایک نظر جس نے اٹھارہ سالوں کی سوئی ہوئی قوتوں کو جھنجوڑ جھنجوڑ کر جگا دیا۔ وہ اسی طرح پُرسکون انداز سے بستر پر آڑی ترچھی لیٹی ہوئی تھی ——— ان کے چیخنے چلّانے کا جیسے اس پر کوئی اثر ہی نہیں ہوا تھا اور نہ وہ بات کرنے ہی کے موڈ میں تھی۔

اچانک ان کا دم گھُٹ گیا ——— ایک ایسی تبدیلی انہوں نے اپنے آپ میں پائی کہ ان کا وجود ہل گیا ——— اُسے یوں لیٹا دیکھ کر وہ اور بھی بے دم ہو گئے، سانس دھونکنی کی طرح چل رہی تھی، بڑی مشکل سے بہت مشکل سے انھوں نے آپ کو سنبھالا ———

"ہو نہ ہو اس لباس، ساڑی میں ہی کچھ گڑبڑ ہے ——— عورت پہن کر لیٹے تو کمر کے پاس کیسا قاتل خم پڑ جاتا ہے، انہوں نے اُسے گرسنہ نظروں سے گھورتے ہوئے سوچا۔

وہ ان کے جذبات کے مدّوجزر سے بے خبر، یا جان بوجھ کر بے خبر بنی یونہی لیٹی رہی تھک ہار کر جب وہ اس کے کمرے سے نکلنے لگے تو انہیں لگا کہ شاید اس کے دل میں کچھ رحم آجائے اور وہ بلائے لیکن وہ تو منانے کے لیے بنی ہی نہیں تھی۔

ایک دن گزرا ———

دوسرا دن گزرا ———

تیسرا بھی دن گزر گیا ——— رات آئی ——— آج جانے کتنے دنوں بعد اس نے محفل سجائی ——— ہارمونیم ہاتھ میں لینے سے پہلے حاضرینِ محفل کو بھرپور نظروں سے اور انہیں نواب سرفراز کو اچٹتی نظر سے دیکھ کر سازندوں سے مخاطب ہوئی۔

"محفل میں کوئی ہم سے خفا خفا ہے ——— سمجھ میں نہیں آتا کیا گائیں کہ یہ خفگی دُور ہو جائے ——— ؟"

نواب سرفراز پوری جان سے سنسنا گئے۔ اُف! یہ عورت تو مجھے مار ڈالے گی۔

غصّے ہو جاؤ تو مناتی نہیں ـــــ بات کرو تو سُنتی نہیں ـــــ مخاطب کرو تو بات نہیں کرتی اور دُور ہٹو تو آنکھوں کے کونوں سے بُلا دیتی ہے ـــــ رُعب داب ایسا کہ چھُو نہ سکو۔ تو کیا کرو مَر جاؤ ـــــ ؟ نہیں نواب سرفراز! محل چلو۔ وہاں بہُوت لڑکیاں ہیں۔

ان خیالات کی ڈور ٹوٹ گئی ـــــ سازوں کی سنگت میں اس کی آواز کا جادو سارے میں بول رہا تھا ـــــ کیا گلے میں نور بھرا ہُوا تھا ـــــ انہیں لگا کہ اگر یہ عورت اندھیرے کونے میں بیٹھ کر بھی گائے تو اس کی آواز کے اُجالے سے کمرہ روشن ہو جائے

کِس مصیبت سے بسَر ہم شبِ غم کرتے ہیں
رات بھر ہائے صنم ہائے صنم کرتے ہیں

وہ شعر پڑھنے کا انداز اور وہی اُچٹتی ہُوئی نِگاہ پھینکنا ـــــ نواب سرفراز کو محفل سے اُٹھتے بن پڑ رہی تھی نہ بیٹھتے ـــــ

برسوں تڑپاتے ہیں جب تیغ علم کرتے ہیں
کِس تکلف سے وہ تکلیفِ ستم کرتے ہیں
مجھ سے کہتا ہے یہ احسان جتا کر ظالم
ہم سوا تیرے کسی پر بھی ستم کرتے ہیں

اور پھر سب کو نظرانداز کر کے پوری پوری توجہ ان کی طرف کرنا، لیکن اس میں بھی ایک ادا کہ محفل سمجھے نہ سمجھے لیکن وہ سمجھ لے جس کے لئے گایا گیا ہے

ہم ہی بدنام ہیں جھوٹے بھی ہم ہی ہیں بیشک
ہم ستم کرتے ہیں اور آپ کرم کرتے ہیں!

پھر تحت اللفظ حاضرین کی طرف دیکھ کر، رُک رُک کر۔

"ہاں صاحب ہم ستم کرتے ہیں اور آپ تو کرم کرتے ہیں نا ـــــ"

ایسی رات اُنھوں نے اب تک نہیں گزاری تھی ـــــ اس میں ایک کیف بھی تھا،

کسک بھی، دِل آزاری بھی، کچھ کھونے کا احساس بھی۔ کچھ پا لینے کی کیفیت بھی، ایک لذت بے نام ——

پندرہ دنوں بعد ڈاکٹر صاحب محل پر آکر اپنے مریض کو دیکھنے آنے والے تھے اس لئے نواب صاحب نے ذاکر خاں کو بھجوا کر ایک دِن پہلے ہی صاحبزادے کو محل بلوا لیا۔

جس صبح ڈاکٹر صاحب آنے والے تھے، اس سے پچھلی رات کو یہ ہُوا:

رات کو صاحبزادے کے کمرے میں دودھ پہنچانے زیبون گئی تو سہی لیکن لوٹی نہیں —— اس کی ماں بھی" چھوٹے صاحب کے پاؤں واؤں دبانے بیٹھ گئی ہوئیں گی"۔ ایک گھنٹہ —— دو گھنٹہ —— انتظار کرتے کرتے زیبون کی ماں سو گئی —— صبح آنکھ کھلی تو ہڑبڑا کر دیکھا، ابھی تک زیبون غائب تھی —— گھبرا کر چھوٹے سرکار کے کمرے کو بھاگی —— دروازے کو دھکا دیا تو کھل گیا —— سامنے جو منظر تھا اس نے اُسے بال نوچنے اور سر پیٹنے پر مجبور کر دیا ——

ملے چوڑے چھپر کھٹ پر پہلے تو زیبون دِکھائی ہی نہیں دی، جو غور سے دیکھا تو دو روحیں ایک جسم بن کر پڑی ہوئی تھیں اور سفید چادر پر گُل بوٹے بنے ہوئے تھے۔

"میں لُٹ گئی پاشا!"

"میں برباد ہو گئی پاشا ——"

"آگے کیا ہُوا ——؟" صبح ہی صبح یہ ہنگامہ دیکھ کر وہ بوکھلا گئیں ——

"آگے کیا ہُوا —— بول تو سہی موئی ——"

"اب کیا بولوں پاشا —— بولنے کو مونہہ ایچ کہاں رہ گیا، وہ دھڑا دھڑ چھاتی کوٹنے لگی ——

دُلہن پاشا نے بڑے افسوس سے نواب شوکت کو رات کی واردات سُنائی تو وہ:

ہاتھ اُٹھا کر بولے۔

"مولیٰ کا احسان ہے ـــــ شکر ہے۔"

"اُئی کیا آپ کی مغز ماری گئی جی ـــــ یہاں ایک غریب بچّی کی عزت لُٹ گئی۔ اور آپ مولیٰ کا شکر ادا کر رہے ـــــ"

"انسان بڑا خود غرض ہے بیگم ـــــ آپ کو کیا بتائیں، ہم آج کتنے خوش ہیں۔ ہمارے سر سے آج کتنا بڑا بوجھ اللہ نے ہٹایا۔"

ماں تو بے حد خوش تھیں کہ پندرہ دِنوں بعد بیٹا گاؤں سے آیا ہے لیکن الگ الگ باپ بیٹے کے دِل میں جیسے کچھ سی چل رہی تھی ـــــ نواب شوکت سوچ رہے تھے کہ اب صاحبزادے کو کیوں طوائف کے کوٹھے پر بھجوائیں ـــــ علاج تو پورا ہو ہی گیا ـــــ اور صاحبزادے سوچ رہے تھے، دو دِن گزر گئے ہیں مجھے کیوں بھجوایا گیا تھا وہاں یہ بھی پتہ نہ چل سکا اور اب روکا کیوں جا رہا ہے یہ بھی نہیں معلوم؟ لیکن اے مولیٰ کوئی مجھے نہ روکے میں اب محل میں کیسے رہوں گا ـــــ؟

ڈاکٹر صاحب آئے۔ تفصیلی باتیں ہوئیں ـــــ بے حد خوش ہوئے۔ بولے: "مجھے پتہ تھا میرا طریقِ علاج ناکارہ نہیں ہے ـــــ بہرحال ایک بچّی کی عزت لُٹ گئی سخت افسوس کی بات ہے ـــــ خدا گناہوں کو معاف کرنے والا ہے ـــــ اچھی جگہ دیکھ شادی ضرور جلد سے جلد کروا دیجئے ـــــ دان دہیز اتنا دیجئے کہ ماں کے دِل کا غم بھی دُھل جائے ـــــ حالانکہ یہ داغ دولت سے نہیں دُھلتے ـــــ لیکن پھر بھی دولت دھبّوں کو چھپا ضرور دیتی ہے ـــــ"

"زیبون کی شادی تو ہو جائیں گی": نواب صاحب بولے: "لیکن اب آپ یہ بتلائیے کہ صاحبزادے کو ابھی اور بھی وہاں بھجوانا چاہیئے کہ مطلب پورا ہو گیا ـــــ؟"

"میرے خیال سے تو منزل مل چکی ہے ——" ڈاکٹر صاحب مسکرا کر بولے۔
لیکن منزل کہاں، ابھی تو نواب سرفراز نے آدھا راستہ بھی طے نہیں کیا تھا —
جو اِن کے دل کو لگی ہوئی تھی اس سے سارا زمانہ بے خبر تھا۔
"بوجی مُنشیاں دیوا ان لوگاں مرگئیں کیا کی میرے اتنے سر کے بچے کو ایکلا گاؤں پر بھیج دیئے آپ —— اب اللہ خیر سے وہ آیا تو میں نیئں واپس جانے دیوں گی ——" دُلہن پاشا مات کر نواب شوکت سے بولیں:
"جیسی آپ کی مرضی مگر کام سیکھتے رہتا تو اچھا تھا ——" وہ تو خواہ مخواہ بہانہ سازی کر رہے تھے ——
"وئی تو میں بھی بول رئی تھی —— چپ کا چپ بچّے کے پیچھے پڑے رہتے —— اب دیکھو نا پندرہ دن کے اندر اندر وہ لڑکوں کے جیسا بات کرنا سیکھ گیا کی نیئں —— چار مردوں میں اُٹھا بیٹھا تو آگیا محاورہ —— آپ تو خود بچی عمر کا سمجھتے اس کو ——" پھر وہ ہنس کر بولیں:
"آپ اس نے سکھا بول کے سارے محل کے چھوکریاں کو مردانی بات چیت کرو بولے —— اب کیا ہوا معلوم —— بچیوں کے اسکول کے چھوکریاں تو چھوڑو، اپنے خاندان کے بھی سارے لڑکیاں بالیاں مردوں لڑکوں کے ویسی اچ بات کرے رئیں، اصل میں اللہ رکھو اپن چار پیسے سے خوش ہیں —— پیسے والوں کی نقل تو سبھی کرنا فخر سمجھتے —— میں تو بولتیوں اب حیدرآباد میں، ہمیشہ کے واسطے یہ رواج نہ پڑ جاتے کی لڑکیاں لڑکوں ہور مرد بچّوں کے ویسی باتاں کر لیتے بیٹھے کیوں کی بڑے بڑے گھرانے ہیں سو سب کی اپنی جان پہچان ہے —— اپنے بچیاں کو مردانی بات چیت کرتے دیکھ کو وہ بھی سمجھیں گے، یہ اچھی بات ہوئیں گی جبھی تو شوکت نواب ہور دُلہن پاشا اپنے بچیاں کو سکھائے ——"
وہ ہنس ہنس کر سنائے جارہی تھیں لیکن آج نواب شوکت کو اس قدر اطمینان کی گہری

سانس لگی تھی کہ وہ خرخر کر رہے تھے ـــــ دُلہن پاشا ان کی نیند سے بے خبر خوشی خوشی پوچھ رہی تھیں : "ہو جی پندرہ دِن کے بعد میرا بچہ آیا ـــــ خاندان والوں کی دعوت کرتے ـــــ اس کو مُرغِ مُسلّم بھوت پسند ہے ، وہ بھی پکواتیوں کل . . . . . . اپنی بات کے جواب میں نہ ہوں سُنی نہ ہاں ـــــ جُھک کر دیکھا تو نواب صاحب بے سُدھ سو رہے تھے ـــــ

"ائی اُجاڑ ان پو تو جیسے ذرے سرسے جوانی پر س رئی ـــــ میں بات سلج کرتی ہور اُنوں خرّاٹوں پے خرّاٹے لیتے پڑیں ـــــ"

صُبح ہی صبح دلہن پاشا نے پچاس مُرغوں کے ذبح کرنے کا انتظام کرنے موذّن صاحب کو بُلوا بھیجا ـــــ ماماؤں کو تاکید ہوئی کہ سارے پورے گھی میں تل کر ان کے پیٹوں میں بھریں ـــــ بادام ثابت ڈالیں ـــــ پھر ان کا خیال آیا کہ میٹھے کے بارے میں کچھ طے نہیں ہوا ہے کہ کیا پکے گا خود ہی بیٹے سے پوچھنے ان کے کمرے میں پہنچیں تو خالی کمرہ ان کی ہنسی اُڑانے لگا ـــــ

"آپ کو میری یاد آئی ؟" نواب سرفراز نے بڑی آس سے اس سے پوچھا وہ سمجھ رہے تھے کہ وہ بچھ بچھ جائے گی ـــــ کہنے لگی : "اور کیا آپ سمجھتے ہیں کہ صرف آپ ہی انگاروں پر سوتے ہیں " لیکن اس نے ایک اَدائے بے نیازی سے انہیں دیکھا اور ذرا حیرت سے بولی :

"یاد ؟ کس بات پر اور کس لئے ؟" ان کا سارا جسم سُلگ گیا۔

"آپ کو میں اچھا نہیں لگتا ؟" وہ غصّے سے بولے۔

"اچھے تو لگتے ہیں " وہ چڑانے کے انداز سے بولی : "لیکن اس کا یہ مطلب تو

نہیں کہ آپ کو جگنی بنا کر گلے میں لٹکا لوں ـــــ"، اور وہ بن بات اپنے گورے گورے گلے میں پڑی جگنی کو جھلانے لگی ـــــ تو اب سرفراز تلملا گئے۔ یہ کیسی عورت ہے؟ کسی بات سے نہیں پگھلتی ـــــ

"جی چاہتا ہے آپ کو کچا چبا جاؤں ـــــ"

"آپ میں یہ حیوانی صفات پیدا ہو رہی ہیں ـــــ آپ کو کسی ڈاکٹر یا حکیم سے رجوع کرنا چاہیئے ـــــ"

"مر گئے میرا علاج کرنے والے ـــــ"، وہ جل کر بولے: "لوگاں بولتے عورتاں بہوت محبت کرنے والے ہوتے ـــــ آپ تو اس کے الٹ ہیں بالکل ـــــ"

"پہلے آپ مجھے براہِ کرم یہ بتادیں کہ ہم دونوں جھگڑا کس بات پر کر رہے ہیں ـــــ"، وہ معصومیت سے ہاتھ ہلا کر بولی:

"دیکھیے، آپ کی ان باتوں سے میرا دماغ اوندھا ہو جائیں گا ـــــ"

"تو ابھی تک آپ کو یہ مغالطہ تھا کہ آپ کا دماغ سیدھا رکھا ہوا ہے؟" اور وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"اچھا چلیے دوستی کر لیتے ہیں ـــــ آج صرف آپ کی خاطر گانا گاتے ہیں، آں!" جس لٹک سے، جس انداز سے وہ سر کو ایک طرف جھکا کے مسکراتے ہوئے "آں" کہتی تھی تو وہ انداز انہیں پاگل کر دیتا تھا۔

وہ آگے آگے، یہ پالتو بنے پیچھے پیچھے ـــــ وہ مسند پر جا کر بیٹھ گئی ـــــ ہارمونیم کو اپنے سامنے کھینچتی ہوئی بولی:

"ساز کے ساتھ یا یونہی ـــــ؟"

"آپ بنا ساز کے بھی بے حد سُریلے ہیں ـــــ"، وہ ترسے ہوئے لہجے میں بولے۔

"دیکھیے جناب میں مرد نہیں عورت ہوں ـــــ آپ کو مجھے اسی طرح مخاطب کرنا چاہیے

یوں کہیئے : "بے حد سُریلی ہیں ۔ مجھے — !" پھر اُنہیں سیدھی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی : "مدرسۂ عالیہ میں تعلیم حاصل کی ہے نا ؟ قواعد نہیں پڑھی آپ نے ۔ صیغۂ مذکر صیغۂ مؤنث ! آں — "

"آپ جو جو بھی کہیں گے — معاف کیجئے ۔ کہیں گی ۔ میں سب مانوں گا ۔ لیکن خدا کے واسطے آپ مجھ سے اچھی طرح رہا کیجئے — " اس نے کوئی جواب نہ دیا ، ہارمونیم کے پردوں کو آگے پیچھے کیا اور ایک شعر اُٹھایا :

ہم نے دِل سی چیز دے دی آپ کو
آپ کیا دیں گے سوائے دردِ دِل

نوابِ سرفراز بے تاب سے ہو گئے — پہلو بدل بدل کر اُنہوں نے شعر سُنا — اچانک وہ رُک گئی ۔

"اونہوں — یہ نہیں کوئی دوسری چیز — " اور وہ شروع ہو گئی :

کس بات کی ہے حسن کی سرکار میں کمی
سب کچھ ہے ایک رحم نہیں اور کرم نہیں

یہ شعر نوابِ سرفراز کے حسبِ حال تھا — دِل کی ساری تڑپ چہرے پہ کھنچ آئی — ایک دَم وہ رُک گئی — اُنہوں کچھ جچا نہیں یہ بھی — تھوڑی دیر وہ یونہی سا توں سُر نکالتی رہی — پھر ہنس کر بولی : "یہ سُنئے ۔ شاید پسند آئے ۔"

وہ اگر حیلہ کریں ، مدفن تک آنے کے لئے
ہاتھ نکلے ہیں جنازے سے بلانے کے لئے

"ذرا غور سے سُنئے گا حضور" :

شکل اچھی رنگ گورا بال لانبے چشم شوخ !
کس جگہ کی خاک لی تم نے بنانے کے لئے

"یہ تو آپ اپنی ہی تعریف کر رہی ہیں —" نواب سرفراز ترسے ہوئے لہجے میں بولے۔

وہ برجستہ بولی : "تعریف ہوتی ہے تو حقیقت کا اظہار بھی ہو جاتا ہے۔ سنئیے :

چادرِ آبِ رواں بن کر لپٹ جاؤں گا میں
تم اگر اُترو گے دریا میں نہانے کے لئے

نواب سرفراز کا بدن سنسنا گیا — اُنہوں نے کس کر اپنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ لئے : "دیکھئے آپ ظلم کر رہے ہیں —"

"کر رہی ہیں —" اس نے مسکرا کر تصیح کی اور گاتی رہی :

یہ ادائیں یہ جفائیں یہ جدائی یہ ستم !
ڈھونڈھ لو مزدور کوئی بوجھ اُٹھانے کے لئے

ہارمونیم روک کر ہنس کر بولی : "اپنے اپنے اندازِ نظر کی بات ہے۔ غالب توحہ گر کے مقدور نہ ہونے کا ماتم ہی کرتے رہ گئے — یہ صاحب مشورہ دے رہے ہیں اور بُرا نہیں دے رہے ہیں کہ مزدور رکھ لیجئے —" پھر بڑے مزے سے ذرا جھک کر بولی "آپ کی کیا رائے ہے —؟"

"مجھے رکھ لیجئے —" وہ فقیروں کی طرح بولے۔

"رکھ تو لیتی لیکن . . ." وہ ناک چڑھا کر بولی : "آپ مجھ سے چھوٹے ہیں اور میں آپ سے بڑی ہوں —"

"اچھا آپ کی عمر کیا ہو گی —؟" وہ سنجیدگی سے پوچھ رہے تھے۔

"آپ بتائیے کیا ہو گی —؟" وہ مسکرا کر بولی۔

"بیس سال —" اُنہوں نے دل دھڑک کر کہا — وہ بے طرح ہنسنے لگی — ہنستے ہنستے اس کی آنکھوں سے پانی نکل آیا۔

"آپ اس طرح کیوں ہنس رہی ہیں؟" وہ پریشان سے ہو گئے۔
"میں اپنی کامیابی پر ہنس رہی ہوں ـــــ اس ایک لمحے کے لئے تو میں موت سے مہلت مانگ لوں گی ـــــ"

ذاکر خاں نواب سرفراز کو جب لینے آئے تو وہ سخت گڑگڑائے کہ کیا جواب دیں ـــــ پھر انہیں رازدار بنانا چاہا۔
"ذاکر چچا! مجھے کیوں بلایا ہے؟"
"بیٹے آپ کب تک یہاں رہیئے گا؟"
"بھجوایا کیوں تھا ـــــ؟" انہوں نے عجیب و غریب سوال کیا۔ بڑی دیر تک ذاکر خاں چپ رہے۔ پھر بولے۔
"بیٹے ـــــ ویسے طوائفیں بدنامِ زمانہ ہوتی ہیں لیکن ان کے ہاں محفل کے آداب تمیز، قاعدہ، اندازِ گفتگو، اُٹھنے بیٹھنے کا جو سلیقہ ہوتا ہے وہ اپنی مثال آپ ہوتا ہے۔ ہر ایک کی بات میں نہیں کرتا۔ لیکن بعض تو اتنی مہذب ہوتی ہیں کہ شرفا اور امراء اپنے لڑکوں کو آدابِ محفل تو کیا آدابِ زندگی کچھ سکھانے ان کے ہاں بھجواتے ہیں۔ آپ اپنی مثال بھی یونہی سمجھ لیجئے"
"تو کیا مجھے آدابِ زندگی آ گئے؟" وہ ذرا تلخی سے بولے۔ ذاکر خاں انہیں غور سے دیکھتے رہے ـــــ یہ انداز کسی لڑکی کا نہیں تھا ایک مرد کا تھا جو اگر اپنی ہٹ پر آ جائے تو ٹھوکر سے طوفان اٹھا دے ـــــ ان کے دل میں خوشی کی ایک کرن چمکی۔ اپنی خوشی کو دبا کر بولے:
"آنے یا نہیں آنے، میں غریب آدمی کیا جانوں۔ لیکن بابا حضور نے بلایا ہے آپ کو چلنا تو چاہیئے بیٹے ـــــ"

"لیکن میرا جی نہ چاہے تو؟" وہ تیزی سے بولے۔
"آدابِ زندگی اس عورت نے سکھائے ہوں یا نہ سکھائے ہوں، آدابِ گفتگو ضرور اتنے کم عرصے میں سکھا دیئے ہیں —— کون کہہ سکتا ہے کہ یہ وہی لڑکا ہے جو آج سے کچھ دن پہلے گھٹنوں سے سر تک نہیں اُٹھاتا تھا جس کی زبان تک نہیں کھلتی تھی، آج کیسے رواں دواں بہتے پانی کی سی گفتگو کر رہا ہے، ذاکر خاں نے دل میں سوچا۔
"آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا ذاکر چچا——"
اُنہوں نے اس کی پیٹھ تھپکی: "اچھا بیٹا! آپ یہیں رہیئے، میں نواب صاحب سے کہہ دوں گا کہ آپ ہارمونیم، طبلہ اور موسیقی سیکھنا چاہتے ہیں۔ ٹھیک ہے!"
"اوہ ذاکر چچا——" وہ اچھل کر خوشی سے بولے "آپ واللہ میرے اصلی چچا ہیں——"

•

ذاکر خاں کے جانے کے بعد وہ خود ہی ان کے کمرے میں چلی آئی۔
"آپ کو واپسی کا بلاوا آیا تھا؟" انہوں نے اقرار کے طور پر سر ہلایا۔
"تو گئے کیوں نہیں؟" وہ مسکرائی۔
"یہاں دل بہت لگتا ہے——"
"پھر دو دن کیسے محل میں رہ گئے؟ وہ اُسے بے حد غور سے دیکھتے رہے۔ بڑی دیر بعد وہ بولے۔
"میں آپ سے کچھ لینا چاہتا تھا لیکن لینے کی ہمت نہیں پاتا تھا وہ میں نے محل میں حاصل کر لیا——" جب ایک مرد ایسی سنگین سچائی کا اعتراف اپنی محبوبہ سے کرے تو ہر چند کہ یہ بھیانک سچائی محبوبہ کا دل پھیر بھی سکتی ہے لیکن سمجھو کہ مرد اپنی محبت میں سچا ہے۔ اس کو دل پھرا نہیں بلکہ وہ خوش ہوئی اتنی خوش کہ اس کا چہرہ جگمگا گیا۔ مسکرا کر بولی:

"اور پھر کبھی آپ اسے محبت کہیں گے ـــ؟"

"میں... میں..." وہ پھپک پڑے۔ "میں آپ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔

وہ اگلے جملے کی منتظر رہی۔ "میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں ـــ"۔ لیکن وہ یوں ہی سر جھکائے سسکتے رہے۔

"آپ ہی بتایئے میں آپ کے لئے کیا کر سکتی ہوں؟" وہ سنجیدگی سے بولی، وہ خاموش اسے دیکھتے رہے ـــ غالباً ابھی ان کی اتنی عمر نہیں تھی جو یہ سوچ سکتے کہ کسی عورت کو حاصل کرنے کی سب سے آسان راہ شادی ہے ـــ وہ شاید جسم کے حصول کو ملاپ اور ساتھ سمجھ رہے تھے، اس معاملے میں بھی ان کا تجربہ بے حد کم تھا ـــ زیبون کا جسم ان کے اندر کے سرکش سیلاب کو بہا ضرور لے گیا تھا لیکن اس کے بعد اس کے ساتھ کی طلب یا چاہ نے انہیں بے کل نہیں کیا۔ عجیب بات یہ تھی کہ زیبون سے سیراب ہونے کے بعد تو انہیں اور شدت سے وہ باوقار عورت یاد آئی تھی جس کو وہ پالینا بھی چاہتے تھے اور چھونے کی ہمت بھی نہیں رکھتے تھے ـــ جو سامنے بیٹھی انہی سے پوچھ رہی تھی: "آپ ہی بتایئے میں آپ کے لئے کیا کر سکتی ہوں"۔

انہوں نے بھی وہی سوال اس سے کر دیا۔

"آپ ہی بتایئے میں کیا کروں ـــ؟ میں ہر ہر لمحے آپ کے بارے میں سوچتا رہتا ہوں ـــ"

"ابھی میرے ترکش میں ایک تیر، بڑا کاری تیر باقی ہے ـــ جذبۂ رقابت بیدار کرنے والا تیر ـــ اس تیر کی چبھن آپ کو سمجھا دے گی کہ آپ کیا کریں"۔ اس نے خاموشی سے سوچا ـــ نواب سرفراز آس بھری نگاہوں سے دیکھتے رہے کہ یہ اب کچھ بولے، اب کچھ بولے ـــ لیکن وہ انہیں بس دیکھا کی ـــ

اَگلے تین چار دنوں تک نواب سرفراز پاگلوں کی طرح اس کے قرب کی جستجو میں اس کے آگے پیچھے ہوتے رہے اور وہ ٹالتی رہی ـــــ صبح کی نماز کے لئے جگانے آتی بھی تو یونہی دور سے آواز دے دیتی اور چلی جاتی ـــــ اس کے بعد وہ پہلے ہی کی طرح ہنسنے بولنے لگی ـــــ اس کا اکثر وقت انہی کے کمرے میں گزرنے لگا ـــــ وہی پیاری پیاری ہنسی۔ وہی شرارت بھرا انہیں جلانے چڑانے والا انداز ـــــ وہی ننھی منی لڑائیاں جو انہیں وصل کا ہی انداز لگتیں ـــــ اس نے نواب سرفراز کو اس قدر خود پر مائل کروالیا اور اپنے طور پر سمجھ لیا کہ وہ سوائے میرے کسی کی طرف نگاہ بھی نہیں اٹھائے گی ـــــ پندرہ دن اس طرح گزر گئے کہ اس نے انہیں اپنے بدن تو کیا ہاتھ تک کو چھونے کی اجازت نہیں دی ـــــ اجازت کا کیا سوال تھا ـــــ ان میں خود اتنی جسارت نہیں تھی۔ حد یہ کہ پندرہ دنوں بعد ذاکر خاں ڈاکٹر صاحب کے کہنے اور نواب شوکت کے بھجوانے پر انہیں لینے آتے تو انہوں نے صاف کہلادیا :

"میں بچہ نہیں ہوں کہ کسی کا ساتھ ڈھونڈوں ـــــ جب میرا جی چاہے گا، میں خود چلا آؤں گا ـــــ شہر میں قدم قدم پہ تانگے، شکرام اور سواریاں موجود ہیں۔"

ذاکر خاں ایک بے نام سی خوشی چہرے پر نہ آنے دینے میں ناکام رہے اور ان کا چہرہ خوشی سے دمک گیا ـــــ

"تو کیا بیٹے آپ کا دل بالکل ہی یہاں لگ گیا ـــــ محل کی یاد نہیں آتی ـــــ؟"

جواب میں نواب سرفراز نے انہیں صرف غصے سے گھور کر دیکھا ـــــ

اتنی محبت، اتنا التفات پیہم، اتنی توجہ اس نے نواب سرفراز کو دے دی کہ وہ اسے اپنی ہی چیز سمجھنے لگے ـــــ ایسے میں اچانک ایک روز اس نے محفل سجائی ـــــ بڑے دنوں بعد آج اس اہتمام سے محفل سجائی گئی تھی جو لوگ اس کے گانے اور رقص کے دلدادہ تھے۔

جب یہ دیکھتے تھے کہ آج کل اس نے مسند پر بیٹھنا چھوڑ دیا ہے تو وہ آنے سے کترانے لگے۔ ایسی دلچسپ لڑکیاں تو کہیں بھی میسر آسکتی ہیں ــــ آج اس نے خادموں کے ہاتھ رقعے لکھ لکھ کر اپنے پرانے قدردانوں کو مدعو کیا ــــ

آج ساری رات کا رت جگا تھا۔ بڑا کمرہ بُقعۂ نور بنا ہوا تھا، یہاں سے وہاں تک ایک ایسی رنگینی چھائی ہوئی تھی کہ پلک جھپکانے تک کو جی نہ چاہتا ــــ رات کے گیارہ بجے وہ طلوع ہوئی اور واقعی سورج کی طرح طلوع ہوئی ــــ رات کی مناسبت سے تو چاند کی طرح طلوع ہونا تھا لیکن لباس ؟ گہرے نارنجی رنگ کی بھرواں کام کی جھلملاتی ساڑی، اسی رنگ کا بلاؤز ــــ گورے گورے بازوؤں پر بازو بند ــــ سر سے لے کر پاؤں تک پور پور زیور ــــ مہندی۔ چھلّے ــــ انگوٹھیاں ــــ بچھوے ــــ پاول زیب ــــ کبوتر آنکھ کی پازیب ــــ گلو بند ــــ کرن پھول ــــ جھمکے ــــ جھومر اور ناک میں وہی قاتل نتھنی ــــ آج دُلہنوں کا سا نور اُس پر برس رہا تھا ــــ

اس کے آنے سے پہلے حاضرین کو مصروف اور مسرور رکھنے کی خاطر ایسی بیٹھی آوازوں سے کچھ لڑکیاں وزن سے گری ہوئی غزلیں اور بازاری قوالیاں گاتی بیٹھی تھیں جیسے ہی بڑے دالان سے موتیوں کا پردہ ہٹا کر وہ داخل ہوئی ــــ سارے ساز بے آواز ہو کر رہ گئے ــــ ہر نگاہ اسی کی طرف اٹھی ہوئی تھی ــــ کسی نے معنی خیز جملہ کہا :

"آج تو توبہ کو توڑ دینے کو جی چاہتا ہے ــــ" نواب سرفراز نے یہ جملہ سنا اور غصّے سے اُن کا خون کھول گیا ــــ اُنہیں دُگنا غصّہ تو اُس وقت آیا جب خود اُس نے بھی یہ جملہ سنا اور مسکرانے لگی۔

"اس قاتل کی عمر کا پتہ ہی نہیں چلتا ــــ عمر تو رواں ندی ہوتی ہے۔ یہاں اس ساحرہ کے پاس آ کر تو وہ بھی بہنا بھول گئی ــــ" یہ بول بھی اس نے ہنس کر خوشی خوشی سُنے اور وہ صرف مٹھیاں بھینچ کر رہ گئے ــــ پہلے ایسی محفلوں میں وہ حاضرینِ محفل کے باوجود ساری توجہ انہی پر

دے رہتی تھی ۔۔۔ پھلے کن انکھیوں سے دیکھتی لیکن یہ کمی پھر بھی ہزار ہیروں پر بھاری رہتی تھی لیکن آج تو جیسے اس کے حسابوں وہ اس محفل میں تھے ہی نہیں ۔
اور پھر جیسے ان کا پورا وجود دھڑ دھڑ شعلوں میں سلگنے لگا ۔
حاضرین میں کچھ بے چینی سی ہوئی ۔۔۔۔ کسی بڑے نواب کی آمد آمد تھی ۔۔۔۔ لوگ گردنیں اونچی کر کر کے مڑ مڑ کر دیکھنے لگے ۔۔۔۔ پتہ چلا کہ لکھنؤ کے کوئی نواب، جو حیدرآباد کے نواب عظمت یار جنگ کے جگری دوست ہیں، تشریف لاتے ہیں ۔
انہیں دیکھتے ہی وہ بڑے تپاک سے اٹھی ۔۔۔۔ اپنی عادت کے برخلاف جھک جھک کر آداب، تسلیم، بندگی، کورنش، بیک وقت بجالائی اور نواب سرفراز کو اپنی سماعت پر شک ہونے لگا ۔۔۔۔ جب وہ نفیس اور باوقار عورت نواب اچھن مرزا سے مخاطب ہوئی ۔۔۔۔
"اللہ نواب صاحب! کتنے دناں ہو گئے یہ سورج غریب خانے پو نئیں چمکا ۔"
نواب اچھن خوش دلی سے ہنسنے لگے "مبارک ہو ۔۔۔ مبارک ہو، غنچہ دہن، پری رولیں، اسی ایک دکھنی زبان کا نشہ تو تمہارے پاس کھینچ کھینچ لاتا ہے، ورنہ کہاں حیدرآباد اور کہاں لکھنؤ ۔۔۔۔"
"اب حضور آپ باتاں بناؤ ۔۔۔ کیا میرے کو معلوم نئیں کی حضور کا دل اصل میں کس پو آیا وا ہے ۔۔۔۔"
"قسم ہے پنجتن پاک کی ۔۔۔۔ جھوٹے کا موہنہ کالا، ہم تو صرف اسی صورت کے دیوانے ہیں ۔۔۔۔ نہ ہوئی یہ صورت مجنوں کے زمانے میں ۔۔۔۔ لیلیٰ بے چاری تو نیلا تھوتھا پھانک لیتی ۔۔۔۔"

نیلا تھوتھا کہیں سے میسر آجاتا تو سب سے پہلے اس وقت نواب سرفراز پھانک

لیتے کہ ایسی بے ہودہ باتوں کو سُن کر نہ صرف یہ کہ وہ خوش ہو رہی ہے بلکہ مزے لے لے کر مُسکرا مُسکرا کر اسی زبان میں باتیں کئے جا رہی ہے کہ جس زبان میں وہ ایسی باتیں کرتے تھے تو ٹوک ٹوک دیا کرتی تھی ——— مارے جلن، حسد اور رقابت کے انہیں محفل میں بیٹھنا دوبھر ہوگیا ——— اگر ان کی محبت میں کھوٹ ہوتا تو وہ کبھی ان کے نام پر جوتا مار کر اسی وقت وہاں سے نکل کر اپنے محل کو چلے جاتے ——— لیکن یہ ایک مرد کی پہلی محبت تھی اور مرد اپنی پہلی محبت میں آدم کی طرح سچا ہوتا ہے جنہوں نے دُنیا میں خود کو تنہا پایا اور کسی ساتھی کی کھوج کی اور خدا نے انہیں انعام میں عورت دی ——— پہلی عورت، پہلی محبت! مشہور ہے کہ مرد بھونرے کی طرح ہرجائی ہوتا ہے ——— ہوتا ہوگا، لیکن بار بار محبت کرنے والا یہ ہرجائی پہلی محبت کے زخم کو ہمیشہ ہرا رکھتا ہے ——— کھرچ کھرچ کے پھر اُسے ہرا کر لیتا ہے ——— اس زخم کو ہرا رکھ کے اسے جو کسک ملتی ہے، وہی اس پہلی محبت کی جان ہوتی ہے ——— وہ اپنی پہلی محبت کی اس کسک کو دل میں دبائے ساری رات انگاروں پر لوٹتے رہے ———

آج وہ پتہ نہیں کس نشے میں تھی، بے حال ہوئی جا رہی تھی ——— آوازیں ان کے کانوں میں گرم گرم لاوے کی طرح ٹپک رہی تھیں ———

"آج ہر ساز کو چھوٹ ہے ——— آج بے ترتیبی مباح ہے ——— ہرا نمانہ رواہے ——— سازندو آج تال کہرا خوب بجاؤ، اتنا کہ سامعین و حاضرین مست و بے خود ہو جائیں ——— اس کے بعد طبلے، ڈھولک، دف، تاشے اور ساتھ میں سارنگی اور ہارمونیم کو تھکاؤ ——— میں ناچوں گی ——— آج گھنگرو نہ ٹوٹے تو کیا ناچ ہوا ———"

وہ سُنتے رہے، خون پیتے رہے ——— محفل شباب پر آتی گئی ——— چاند ادھر سے اُدھر سرکتا رہا ——— ان کی آنکھیں خون رنگ ہوگئیں ——— نیند کی جسارت نہ ہوئی کہ ایسی تپتی سنگلاخ زمین پر قدم رکھے ———

یوں کہ جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو ـــــ وہ دھیرے سے آئی لیکن اس کی پازیب کی چھم چھم نے بتا دیا کہ وہ آرہی ہے، وہ آرہی ہے۔

بڑی متانت سے اُس نے پوچھا: "محفل سے اُٹھ کر یُوں چلے آئے تھے؟"

بڑا بوجھل سناٹا تھا ـــــ وہ یونہی آنکھوں پر ہاتھ کا چھجہ بنائے لیٹے رہے۔ سانس کی دھونکنی لوہار کی دھونکنی بنی ہوئی تھی۔

"وہ اصل میں میرے بڑے پرانے گاہک ہیں۔" اس نے لفظ گاہک پر خاصا زور دیا ـــــ "اور وہ دکنی بولی سن کر بڑے خوش ہوتے ہیں ـــــ مجھے تعلیم ہی ایسی دی گئی تھی کہ نواب اگر حیدرآباد کے ہوں تو دہلی اور لکھنؤ کی اُردو میں بات کروں اور باہر کے ہوں تو پرچانے کے لیے دکنی اُردو میں ـــــ میرے مونہہ سے اچھی لگتی ہے نا؟"

وہاں ایک خاموشی ہی تھی سب کے جواب میں ـــــ وہ یُونہی سنائے ہوئے پڑے رہے۔

"بھئی میں تو طوائف ہوں ـــــ میں کسی ایک کی بنوں کیسے؟ مجھے تو سبھی کو خوش رکھنا پڑتا ہے ـــــ ویسے نواب اچھن بڑے آدمی تو نہیں ہیں ـــــ"

ایک دم چیتے کی سی تیزی سے وہ اپنے بلند و بالا جسم کو لیے بستر سے کودے ـــــ عین مین اس کی آنکھوں کے سامنے آکر وہ اپنے پورے اونچے قد کے ساتھ کھڑے ہوگئے۔

"بتاؤ مجھ میں کیا نہیں ہے ـــــ اُس کتل کھلے بڈھے کو دیکھو جس کی توند اُسے چلنے نہیں دیتی اور مجھے دیکھو ـــــ اُس زنخے کو دیکھو اور مجھے دیکھو ـــــ اُس مِن مِن کرتی آواز کو سنو اور میری آواز سنو ـــــ اگر تم محض دولت کی غلام نہیں ہو تو بتاؤ اُس بڈھے کا اور مجھ جیسے جواں مرد کا کیا مقابلہ ہے، میں نے تو سدا لڑکیوں کے مونہہ سے یہی سنا ہے کہ عورت دولت نہیں مانگتی، تخت نہیں مانگتی، صرف مضبوط کسا وا مانگتی ہے جو اس کی ہڈیوں تک کو چُرمُرا دے ـــــ پھر تم جیسی جوان لڑکی اس بڈھے پر کیسے ریجھی ـــــ ہو نہ ہو اس

کی تہہ میں دولت کارفرما ہے۔

"جی نہیں، آپ غلط سمجھے ــــ کوئی بھی عورت اور خاص طور پر مجھ جیسی عورت معاشرے میں، رہنے کا جینے کا تحفظ چاہتی ہے جو بنا شادی کے ممکن نہیں اور نواب اچھن مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہیں ــــ"

وہ ایک ایک لفظ چباتے ہوئے آگے بڑھے۔

"نواب اچھن تم سے شادی کرنا چاہتے ہیں ــــ وہ غلیظ گندا اچھل تھلاندھا، جسے ایک لات ماروں تو سیدھا گندی پیٹھ میں جا کر گرے ــــ وہ تمہارا یہ خوب صورت صندل والا حنائی ہاتھ تھامے اور میں اُلّو کا پٹھا ہوں جو دیکھتا رہوں گا ــــ" انہوں نے تیزی سے اُس کا نازک، انگوٹھیوں سے جگمگاتا ہوا ہاتھ اُٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیا "یہ ہاتھ میرا ہے ــــ میں اِسے... ..."

"نہیں نہیں ــــ" وہ چیخی "مجھے مت چھوئیے ــــ مجھے ہاتھ نہ لگائیے۔ یہ گناہ ہے، گناہِ کبیرہ ہے ــــ" وہ سانسوں سانس ہو گئی ــــ نواب سرفراز نے گھبرا کر اُس کا ہاتھ چھوڑ دیا ــــ وہ آگے بڑھ کر مسہری پر بے دم سی ہو کر گر گئی۔ وہ نادم نادم سے اُسے دیکھتے رہے ــــ دیکھتے رہے۔ بڑی دیر بعد وہ آہستگی سے بولے:

"معاف کیجئے گا ــــ آج جذبات کی رَو میں، میں حفظ و مراتب بھی بھول بیٹھا آپ کو تم کہہ گیا ــــ میں آپ سے معافی چاہتا ہوں اور آپ کو میں پسند نہیں ہوں تو صاف کہہ دیجئے، مجھے بُرا نہیں لگے گا ــــ لیکن اگر ذرا بھی کوئی بات میری پسند ہے تو میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ مجھ سے شادی کرنا پسند کریں گی؟"

ماہ و سال کے جانے کتنے لمحے اپنے دامن میں آنسو لئے آئے اور برس برس کر جل تھل ایک کر گئے ــــ اب نہ برسو ــــ اب نہ برسو خدا کے لئے ــــ اب میرا حوصلہ جواب دے گیا ہے ــــ اس نے اپنے دھڑکتے پھڑکتے دِل کو قابو میں کیا اور پاتال

سے بولی۔

"آپ میں ناپسند کرنے والی کوئی بات ہے ہی نہیں، لیکن آپ کے بزرگ لوگ . . . . . .''

وہ تیزی سے بولے :"اٹھارہ برس کے مَرد پر زبردستی کبھی تو نہیں کی جاسکتی لیکن مجھے اُمید ہے کہ کوئی میرے آڑے نہیں آئے گا ——''

"مائیں بڑی نرم دِل ہوتی ہیں ——'' وہ اندیشے کرچی کرچی ہوتی ہوئی بولی "تہہ در تہہ محبت ہی محبت —— لاکھ منہ سے بڑے بڑے بول بول لیں، اولاد کی کوئی بات نہیں ٹالتیں۔ لیکن باپ مَرد ہوتے ہیں، سخت دل، اَڑ جانے والے —— اگر آپ کے بابا حضور نہ مانے تو ——؟''

وہ خوشی سے بے حال ہوتے ہوئے بولے :"یہ میری ذمّے داری ہے۔ آپ راضی ہیں، مجھے دُنیا مِل گئی ——''

"طوائف سے شادی کرنا بہت مُشکل ہے —— آپ نہیں سمجھیں گے —— آپ ابھی نو عمر ہیں —— آپ نے زمانے کو نہیں پرکھا —— لوگ آپ پر اُنگلیاں اُٹھائیں گے —— طرح طرح کی باتیں بنیں گی —— آپ یہ سب برداشت نہیں کر پائیں گے۔

"شاید دُنیا میں مجھ سے پہلے بھی کسی نے یہ جملہ دہرایا ہو لیکن میں تو اسے اپنے ہی دل کی آواز کہوں گا اور وہ آواز یہ ہے کہ اگر آپ مجھے نہ ملیں تو میں خود کو ختم . . . . . .''

ایک دَم اس نے اپنا لرزتا کانپتا ہاتھ بڑھایا کہ ان کے ہونٹوں پر رکھ دے، لیکن خود ہی پیچھے ہٹا لیا ——

"اے خُدا گواہ رہیو —— میں امانت میں خیانت کی مُرتکب نہیں ہوئی ——'' اسے خاموش اور سہما ہوا پا کر وہ کچھ اُداس ہوگئے ——

"آپ یقین کریں میں آپ کو وہی عزّت دوں گا جو محل میں امّی حضور کو ملتی

رہی ہے ——"

"مستحق تو میں ابھی عزت کی تھی ——" وہ زیرِ لب بولی جیسے وہ سُن نہ پائے۔
اپنے چہرے سے پھوٹتی ہوئی خوشی کو چھپانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بولے
"میں اٹھارہ سال کا ہوں لیکن دُگنی عمر کا لگتا ہوں اور رسمِ بیاہ میں میرے خیال سے قدو قامت ہی کو دیکھنا چاہیئے ——" وہ اپنی ہنسی کو نہ روک سکے —— "آپ تو زیرِ بلوغ بچی لگتی ہیں بچی —— چاہوں تو ایک اُنگلی پر اُٹھا لوں آپ کو ——" وہ شرارت سے جھپٹے، لیکن وہ دُور ہٹ گئی ——

"میں طوائف ضرور رہی لیکن صرف ناچنے گانے والی —— یہ دیکھئے نتھنی آج تک پڑی ہوئی ہے —— آپ کو شاید یہ بات معلوم نہیں کہ کسی بھی طوائف کی ناک میں جب تک نتھنی ہے سمجھو وہ بکاؤ مال نہیں بنی —— شادی تک صبر کر لیجئے نا —— کیوں میری عاقبت خراب کرتے ہیں ——"

وہ شرارت پر تُلے ہوئے تھے: "تو پھر بھی شادی آج ہی کر لیجئے نا؟"

"آج تو خیر نہیں، لیکن اگلی جمعرات کے بارے میں کیا خیال ہے ——؟" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"جو آپ کی مرضی ——"

"میری چند شرائط ہوں گی ——"

"سر آنکھوں پر" وہ ہنسے: "کوئی خاص زیور یا کپڑے لتے کی ——؟"

"نہیں —— ایک تو یہ کہ جب آرسی مصحف ہوتا ہے اور دُلہن کا چہرہ لوگوں کو بتایا جاتا ہے، ویسے میرا چہرہ کسی کو نہیں بتایا جائے گا، دوسری یہ کہ رواج کے مطابق تو دُولہا کے ہاتھ میں تلوار ہوتی ہے لیکن آپ مجھے ایک چھوٹا سا خنجر لا کر دیں گے"

"منظور ہے سرکار ——" وہ ہنسے "ویسے آپ خنجر کے بغیر بھی یہاں سے وہاں

تک قتلِ عام برپا کر سکتی ہیں ـــــ" وہ کہہ گئی۔

"شادی سے پہلے کی رتیں، رسمیں، مانجھ، ساچق، مہندی چالے ـــــ کچھ بھی نہیں ہوگا ـــــ شادی کے دن سُرخ کی بجائے مَیں سبز جوڑا پہنوں گی ـــــ"

"یہ بات ذرا مشکل ہو گی حضور ـــــ میں اپنے بابا اور امی کا اکلوتا بیٹا ہوں۔ وہ اپنے ارمان پھر اور کس طرح نکالیں گے ـــــ سوچنے کی بات ہے ـــــ رتیں بھی نہیں سُرخ جوڑا بھی نہیں ـــــ"

"آپ نہیں سمجھیں گے ـــــ" وہ اُداسی سے بولی: "یہ بات کوئی راز تو رہے گی نہیں کہ آپ ایک طوائف کو بیاہنے جا رہے ہیں ـــــ جتنی نگاہیں میرے چہرے پر پڑیں گی اتنے ہی تیر کلیجے کو چھیدیں گے ـــــ آپ مجھ پر یہ ظلم روا رکھیں گے؟"

"چلئے جناب یہ بھی منظور ـــــ اب فرمائیے ـــــ"

"ہر ارمان بھری دُلہن کی طرح میرے بھی دِل میں ارمانوں کی ایک ہری بھری فصل لہلہاتی رہی ہے ـــــ لیکن مَیں کِس کِس ارمان کو گِنواؤں گی ـــــ بس ایک شرط اور ہے لیکن وہ عقد خوانی کے بعد، اپنی سسرال پہنچ کر بتاؤں گی ـــــ"

"ہم وہ بھی مان لیں گے سرکار ـــــ اور کچھ ـــــ؟"

"اور یہ ... ... وہ اپنے ڈوبتے دِل کو تھام کر بولی "اور یہ دُعا کہ خدا آپ کو میرا غم برداشت کرنے کی ہمت اور حوصلہ عطا فرمائے ـــــ"

اکلوتے جوان بیٹے کی ضد کے آگے باپ کی کچھ نہ چلی ـــــ طوائف سے شادی !! نہ خاندان میں کِسی نے سُنی نہ دیکھی اور یہ نامُراد، نالائق خود کرنے چلا ہے۔ بیچ میں ماں کو ڈالا ہے کم بخت نے کہ بابا حضور نے اگر منع کیا تو زہر پھانک لوں گا ـــــ زہر کی پڑیا ماں کو لا کر بتا بھی چکا ہے ـــــ نواب شوکت کے محل سے برات نکل کر کچھی گزاتی

کے رذیل اور ذلیل محلّے میں جائے گی —— ہونہہ —— اور یہ بھی صاحبزادے کا اصرار ہے کہ "وہ" بُرا نہ مانے، اس کا دِل نہ دُکھے کہ جس عزت کی وہ مستحق بھی وہ نہ ملی —— شادی اسی شان و شوکت سے ہو جیسے کسی شریف زادی سے ہوتی اور سارے نواب، امیر، اُمراء اور رؤسا سبھی برات میں چلیں اور عقد خوانی میں شرکت کریں۔

کیا کیا خواری اس اولاد کے ہاتھوں دیکھنی لکھی ہے، اُوپر والا ہی جانے۔

ایک سے ایک خیالات نواب شوکت کے ذہن کو کچوکے دیتے —— ماں کی مرضی تو باپ کی مرضی میں پوشیدہ تھی —— وہی اگر راضی نہ تھے تو پھر فیل مچا کر کیا کر لیتیں —— کلیجے میں ساری کھٹک تو یہ پڑی ہوئی تھی کہ جوان اور اکلوتا لڑکا ہاتھ سے نہ نکل جائے —— پھلے سے رنڈی ہو، پاتر ہو، ناچن ہو، اتائی ہو، شادی ہو جائے —— کون سا نبھا کر دیں گے —— چار دن کھلونے کی طرح کھیلیں گے پھر تو اکھلڈرے پر پھینکنے ہی والے —— تو کیوں بچے کا جی خراب کیا جائے —— لوگ غلط کہتے ہیں کہ پیری انسان کو جھکا دیتی ہے —— نہیں اولاد جھکاتی ہے ——!

ہفتہ بھر ہی تو شادی میں باقی رہ گیا تھا ——

پیسہ ندی کی طرح بہتا ہو تو آٹھ دن تو کیا آٹھ گھنٹے بھی جوڑ جاڑ کے لئے بہت ہیں —— شوکت محل میں لہر بہر ہو گئی ——

نواب ستارہ فزار خود بھی خوشی سے بے حال "ہونہہ" ہی ہونہہ میں گنگنا گنگنا کر شادی کے انتظامات میں مصروف رہتے۔ ایک دن بڑی ترنگ میں آ کر گنگنا رہے تھے:

جن کے محلوں میں ہزاروں رنگ کے فانوس تھے
جھاڑ اُن کی قبر پر ہے اور نشاں کچھ بھی نہیں

کہ نواب شوکت نے سن لیا —— اُن کا دِل دہل اُٹھا —— بیٹے کو پاس بُلا کر دھڑکتے دِل سے پوچھا:

بیٹے یہ کیا گا رہے ہیں آپ ——" ایک بھولی بسری یاد نے ان کے چہرے کا رنگ اُڑا دیا تھا ——

"جی بابا حضور، محل میں دائی مائی کبھی کبھار یہ بول گنگناتی ہے، ہمیں اچھے لگتے تھے، زبان پر چڑھ گئے —— آپ کو پسند نہیں ——؟"

ان کے پھڑکتے پھڑپھڑاتے دل کو قرار سا مل گیا۔

"نہیں بیٹے، پسند ناپسند کی بات نہیں —— ہم سوچے پتہ نہیں کہاں سے آپ یہ منحوس شعر یاد کر لئے —— خوشی کے موقع پر ایسے غمگیں اشعار نہیں پڑھنا چاہیئے —— جائیے اپنا کام کیجئے ——"

شادی سے پہلے آخری بار اس نے محفل سجائی —— نواب سرفراز محل واپس آگئے تھے کہ شادی کا انتظام کرنا تھا —— لیکن روز ایک دو پھیرے لگا لیتے تھے —— اُن کی تڑپ میں روز بروز اضافہ ہی تھا۔ اُس دن وہ گئے تو وہ بولی:

"اب کہاں میں اور کہاں یہ محفلیں —— کون جانے قسمت کی آندھی کہاں اُٹھا لے جائے —— آپ کی اجازت ہو تو آخری بار ایک محفل سجا لوں ——"

وہ اس کی اُداسی سے متاثر ہو کر بولے: "کمال کرتی ہیں آپ بھی —— شادی کے بعد بھی آپ کے شوق پر کوئی پابندی عائد نہیں کی جائے گی۔ اس کا آپ پورا اطمینان رکھیں ——" وہ ممنون نگاہوں سے اُنہیں دیکھتی ہوئی بولی۔

"آپ کی یہ محبت اور معصومیت ہی میری جان لے لے گی ——" اس کے چہرے کا حزن و ملال دیکھ کر وہ بھی اُداس سے ہو گئے —— رات آئی —— محفل سجی —— اُس نے ہارمونیم سنبھالا اور ایک دردناک طرز شروع کی ؎

شبِ فرقت کے جاگنے والے ٭ ایسے سوئے کہ پھر سحر نہ ہوئی

ایک بار ـــــ

دو بار ـــــ

تین بار ـــــ

بار بار یہی شعر وہ پڑھتی رہی اور سننے والے سر دھنتے رہے ـــــ آخر وہ چونکی اور حاضرین سے معذرت خواہ ہوئی "پتہ نہیں اس شعر نے کیوں باندھ سا لیا تھا ۔ بہرحال میں ایک غزل پیش کرتی ہوں ؎

قسمت اِدھر خلاف، دلِ بے قرار بھی
ہم سے پھری ہوئی ہے اُدھر چشمِ یار بھی

سیاہ لباس میں اس کا چہرہ غم واندوہ کی تصویر بنا ہوا تھا :

تنہا مرے، مزار پہ دَم بھر نہ جل سکی
مایوس ہو کے بجھ گئی شمعِ مزار بھی

کتنی ہی دیر یونہی ساز بجتا رہا ـــــ پھر اُس کی درد بھری آواز اُبھری ؎

لے جائے اُن کے در پہ اُڑا کر صبا کبھی
اس آرزو میں تھا مرا مُشتِ غبار بھی

وہی تکرار ـــــ

اس آرزو میں تھا مرا مُشتِ غبار بھی
رو رو کے سینچتی رہی سبزے کو قبر پر
کچھ میرے کام آ گئی شمعِ مزار بھی

اس نے تھک کر اپنا سر ہارمونیم پہ ٹیکا دیا ـــــ ماحول میں صرف آواز کی گونج باقی رہ گئی ـــــ سننے والے سر دھنتے رہے اور وہ اسی طرح سر ٹکائے اپنے آپ کو ڈھونڈتی رہی ـــــ

مقررہ دن اور تاریخ پر ایک شان دار برات شوکت محل کے وسیع و عریض پھاٹک سے نکلی ——— اتنی لمبی برات کو نکلتے نکلتے بھی سب سواریوں کو گھنٹہ بھر تو لگ ہی گیا۔

جس کرّوفر کی برات تھی، چڑھاوا بھی ویسا ہی دھوم دھام کا تھا ——— کیوں نہ ہوتا، آخر نواب شوکت یار جنگ کے اکلوتے بیٹے کی دُلہن کا چڑھاوا تھا ——— جس جس سڑک سے بھی برات گزرتی حیدرآباد کے اُمراء کی شان اور روایت کے مطابق سارا جھم جھم کرتا چڑھاوا، مزدوروں کے سروں پر لدا ہوا ساتھ ساتھ چلتا ——— دیکھنے والوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگ گئے ——— کتنے ہی بے دعوتی برات کے ساتھ لگ گئے اور برات جب پنجمی مراق پہنچی ہے تو تین گنا زیادہ لوگ ہو گئے ———

بغیر کسی چاؤں میاؤں، شور شرابے یا بدنامی کے خیریت کے ساتھ نکاح خوانی ہو گئی ——— دولہا میاں گھوڑے پر سوار ہو کر گئے تھے۔ لیکن واپسی میں دولہن کو ساتھ بٹھانا تھا، اس لئے سجی سجائی بگھی میں لوٹے ——— ساری ہلڑ بازیوں، ریتوں، رسموں سے فارغ ہو کر دولہا دُلہن اپنے کمرے میں پہنچا دئے گئے تو محبت والے دولہا کو چہیتی دُلہن کی آخری شرط یاد تھی ——— گھونگھٹ اُٹھا کر پیار سے بولے ———

"آپ نے کہا تھا نا ——— آخری شرط، سُسرال پہنچ کر کہوں گی ———"

"جی ہاں مجھے یاد ہے ———" وہ اُداس لہجے میں بولی: "آپ کا بے حد شکریہ! کہ میری بات کی لاج رکھی ——— وہ شرط ایسی کوئی خاص نہیں ——— بس یہ ہے کہ میں آپ کے بابا حضور کو سلام کرنا چاہتی ہوں ——— لیکن کوئی اور اس کمرے میں نہ رہے ———"

وہ اس کا بے پناہ خوب صورت چہرہ دیکھ کر شرارت سے بولے: "بڑے میاں کی خیر نہیں آج ——— خدا رحم کرے ———" پھر ہنس کر باہر جاتے جاتے بولے "ٹھیرئیے میں ذرا انتظام کر کے آتا ہوں ——— اس وقت تو بابا حضور کے کمرے میں

ہجوم لگا ہوگا ـــــ نواب سرفراز جلد ہی واپس آئے۔ اُسے اشارا کیا ـــــ آگے آگے نواب سرفراز پیچھے پیچھے وہ ـــــ کمرے کے دروازے پر رُک کر پلٹ کر اس نے نواب سرفراز کو دیکھا جو ساری دُنیا کا پیار دو آنکھوں میں لئے۔ اُسے اشاروں اشاروں میں جلدی واپس آنے کی تاکید کر رہے تھے ـــــ

اُس کا دِل پھوٹ بہا، مگر وہ اپنے آپ کو سنبھال لے گئی ـــــ باہر سے میراثنیں کلیجہ کاٹنے والے بابل اور وِداعیاں گا رہی تھیں ـــــ

ننہ پاٹن کے بیچ میں کھُل گئی ہستی میری آج
ایک گلی وہ، ایک گلی یہ، کا سے کہوں ری بات
پاس چلی ہوں پی کے اپنے مِل لو ساری آج
بے ری سکھیو پھر نہ کہنا بھول گئی تھی بات
پاس چلی ہوں پی کے اپنے ....

وہ دھیرے دھیرے قدم بڑھاتی کمرے میں داخل ہوئی ـــــ اپنے پیچھے اس نے دروازہ بند کر دیا ـــــ نواب شوکت نے ذرا حیرت سے اُس کی اس حرکت کو دیکھا، بہر حال وہ وہیں شان دار صوفے پر بیٹھے اسے دھیرے دھیرے آگے بڑھتا دیکھتے رہے۔

قریب آ کر اس نے گھونگھٹ اٹھا دیا ـــــ

نواب شوکت تڑپ کر اُچھلے ـــــ

"حیا ـــــ تم ـــــ"

"ہاں میں ـــــ نواب شوکت یار جنگ۔ ـــــ آپ تو بے گناہ ہیں ـــــ معصوم ہیں ـــــ گنہ گار اور مجرم تو میں ہوں ـــــ اور اسی لئے اپنی فردِ جرم میں خود ہی آپ کو سناؤں گی ـــــ یہ ضرور ہے کہ جو کچھ کہوں گی سچ کہوں گی لیکن سچ کے سوا کچھ تلخ بھی کہوں گی۔ ـــــ حوصلہ ہے سننے کا ـــــ؟ نواب شوکت تم نے آج سے اُنیس سال پہلے میرا

خون کردیا تھا ـــــ مجھے قتل کردیا تھا ـــــ تم تو پڑھے لکھے گھرانے کے چشم و چراغ ہو قرآن شریف تم نے بھی یا ترجمہ پڑھا ہوگا ـــــ اللہ ہی کا بنایا ہوا قانون ہے ـــــ قصاص ـــــ خون کا بدلہ خون ـــــ نواب شوکت دنیا کی نظروں میں تو میں زندہ ہی لیکن خدارا مجھے بتاؤ کہ تم نے مجھے کہاں قتل نہیں کیا ـــــ میری ہر آرزو، میرے ہر ارمان، میری ہر ہر امید کو تم نے قتل کیا ـــــ نہ "خوں بہا" دیا نہ میرا کوئی تھا، جو "قصاص" کے قانون کا تم پر اطلاق کرتا ـــــ میں تو قتل ہو ہی چکی تھی ـــــ میری ننھی سی بچی بھی زندہ نہ رہی ـــــ ڈیڑھ سال کی ہو کر ہی چل بسی ـــــ تمہاری یاد۔ تمہاری نشانی، جسے شاید تم اپنا مان کر بھی نہ دیتے ـــــ جو میری زندگی کی سب سے خوب صورت حکایت تھی وہ بھی مجھے چھوڑ کر چل بسی تو سوچو میرے لئے دنیا میں کیا رہ گیا ہوگا جب کہ ماں کو میں خود ہی چھوڑ کر چلی گئی تھی کہ مجھ سے پیشہ نہ کروانا شروع کردے، جبکہ میں یہ عہد کر چکی تھی کہ اب اس جسم کا ہر ہر رُواں تمہاری امانت ہے۔ لیکن تم تو ایسے سوداگر نکلے کہ پھر اس امانت کو لینے کبھی نہ لوٹے، لیکن خدا کی خدائی میں جو بھی شے موجود ہے، ہر اس شے کی قسم کھا سکتی ہوں کہ پھر اس دلِ تباہ سے کسی اور کا خیال تک نہ گزرا ـــــ بس تو بہت دور کی بات ہے ـــــ میری ماں نے جس طرح بلک بلک کر میرے فراق میں دم توڑا ہے نواب شوکت، اگر تم وہ تڑپ دیکھ لیتے تو ہر کراہ پر ایک ایک حج کا ثواب پاتے ـــــ میری ماں گنہ گار تھی شاید اسی لئے خدا نے اُسے جنت بخش دی ہو ـــــ لیکن مجھے میرا گناہ تو بتاؤ ـــــ کیسے سونے کے قلم سے نصیب لکھا کر لائی تھی میں بھی ـــــ! تم نے جو ماہ و سال اپنی دلہن کی آغوش میں گزارے ہوں گے، اپنے کلکاریاں مارتے بچوں کے ساتھ ہنستے بولتے گزارے ہوں گے نواب شوکت ـــــ مت پوچھو، مت زخموں کے ٹانکے ادھیڑو ـــــ تم اٹھارہ سالوں کی بات کرتے ہو ـــــ میں تو ایک رات کا بھی حساب نہیں دے سکتی ـــــ ایک ایک کروٹ!

ایک ایک کروٹ، سو سو نشتر پہلو میں توڑ دیتی تھی ـــــ سوچتی تھی کہ تم اس وقت کیا کر رہے ہو گے ـــــ؟ کس طرح مسکرا رہے ہو گے ـــــ کس طرح سو رہے ہو گے ـــــ جب کہ میری بے خواب آنکھیں لہو رو رہی تھیں ـــــ تم مجھے لوٹ کر چلے گئے ـــــ تم نے کہا تھا تم مجھے سہارا دو گے ـــــ عورت کو ڈھانک کر رکھا جاتا ہے نا ـــــ تم نے مجھے ڈھانک کر رکھنے کا وعدہ کیا تھا، لیکن تم میری عزت کی سیپ سے آبدار موتی لے کر چلے جانے کے بعد تم نے سوچا ہو گا، اب اس میں کیا رہا ـــــ شادی کا وعدہ وعدہ ہی رہا ـــــ تمہارے وہ جملے میں کبھی نہ بھول پائی "یہ ہمارے خاندان میں کبھی نہیں ہوا کہ کسی طوائف کو گھر ڈال لیا ہو ـــــ آخر نام و نمود اور خاندانی شرافت بھی ایک چیز ہے ـــــ اور تمہارے چہرے پر لکھی ہوئی وہ نفرت جو میرے لئے تھی!!

میں جو تمہیں دنیا میں سب سے زیادہ چاہتی تھی، یہ زہر میری نس نس میں اترتا رہا ـــــ پھر تمہارے جشنِ شادی میں بے حال ہو ہو کر ناچتی رہی کہ جسے دنیا میں سب سے زیادہ چاہتی تھی، اس کی خوشی کا جشن تھا ـــــ!! پھر زندگی میں ایک ہی دعا یاد رہ گئی کہ خدا تمہیں بیٹا دے ـــــ میرے لئے!

پھر پتہ چلا کہ تمہارے گھر ولی عہد پیدا ہوا ہے اور خدا کے انصاف کو مان گئی کہ یہ انعام بس میرے ہی لئے اتارا گیا ہے ـــــ اور ـــــ اس دن میں نے عہد کیا کہ میں اپنے بے گنہ خون کا بدلہ خون ہی سے لوں گی ـــــ قصاص! صاف سیدھی سی بات ہے ـــــ تم نے میرے ارمانوں کا خون کیا ـــــ میں نے تمہارے ارمانوں کا ـــــ ایک باپ کی سب سے بڑی تمنا، سب سے بڑا ارمان اس کی اولاد نرینہ ہوتی ہے ـــــ پانچ بیٹیوں میں اکلوتا بیٹا ـــــ وہ تمہیں کتنا پیارا نہ ہو گا۔ اس کا مجھے احساس تھا ـــــ میں تمہارے شب و روز سے بے خبر نہ رہی ـــــ میں نے دل ہی دل میں قصاص کا فیصلہ کیا اور اپنے آپ کو اس مرحلے کے لئے تیار کرتی رہی

—— کہ تم سے تمہارا بیٹا چھین لوں گی —— یہ بڑا ہی مشکل اور صبر آزما مسئلہ تھا —— لیکن میں انتقام کی آگ میں جھلس رہی تھی۔ سب کچھ کر گزرنے پر تیار تھی —— کیوں کہ تم نے مجھے طوائف ہونے کی وجہ ٹھکرایا تھا اور یہ ذلت میں کبھی نہ بھول سکی —— میں نے اپنے حسن اور جوانی کو محفوظ رکھنے کا فیصلہ کر لیا —— جانے کتنی زعفران اور دودھ میرے جسم میں حل ہو گیا —— صندل اور چنبیلی کی مالش نے مجھے سدا جوان رکھا —— ہم طوائفوں میں جسم ڈھل جانا بہت برا سمجھا جاتا ہے —— موٹا ہونا تو آمدنی بند ہونے کا پہلا قدم ہے —— کہتے ہیں جاکسل کے درخت کے نیچے بیٹھنے سے موٹاپا نہیں آتا اور نواب شوکت تم نے تو مجھے ایسے شجر کے سائے تلے بٹھا دیا تھا جس نے کبھی ٹھنڈی ہوا کا جھونکا تک مجھے نہ دیا —— ببول کی طرح کانٹے دار اور بے آب و گیاہ —— سدا بہار غموں کا شجر —— میں کہاں موٹی ہوتی —— ؟ بالوں نے البتہ تھوڑی سی بے وفائی کی۔ لیکن میں نے مہندی سے رنگ رنگ کے انہیں سنہرا کیا ہے۔ تاکہ میری جوانی کے ضامن بنے رہیں —— یہ اٹھارہ سال بڑے ہی بزدل اور کچے نکلے —— دیکھو نا میرے قریب پھٹکنے تک کی انہوں نے ہمت نہ کی —— ورنہ یہ کیسے ممکن تھا کہ تمہارا —— میری عمر سے آدھا کم عمر بیٹا مجھ پر فدا ہو جاتا —— ؟ یہ کرب میں نے کیسے سہا ہے یہ نہ پوچھو —— پھر کبھی زندگی میں انگور کے خوشے دیکھنے کی ہمت نہ ہوئی کہ لگتا ہے کہ میرے دل میں بھی آبلوں کے ایسے ہی گچھے لٹک رہے ہوں گے —— تم نے تو مجھے کچھ بھی نہ دیا —— میں نے تمہیں وصال کی وہ مقدس رات، سہاگ رات تحفے میں دے دی جو میرا سب سے قیمتی سرمایہ تھی —— تم تو جیا یہ قرض کبھی نہ اتار سکے —— اتنے بڑے نواب! اتنی بڑی جائداد اور دل اتنا چھوٹا —— محبت کرنے والے تو اپنا آپ گنوا دیتے ہیں —— لیکن تم نے مجھ سے محبت کی ہی کب —— میری محبت کی چھوٹی سی مثال اور سن لو —— تم نے جب مجھے آخری ملاقات میں اشرفیاں سے

بھری تھیلی دی تھی تو یاد ہے میں نے وہ قبول کر لی تھی ——— میرا جذبۂ وفا دیکھو ——— میں نے سوچا تھا کہ اگر آج میں یہ اشرفیاں قبول کر لوں تو تم یقیناً یہ سوچ کر مطمئن ہو جاؤ گے۔ کہ ہوں رنڈی تھی نا ——— پیسے سے بہل گئی ——— محبت ہوتی تو دولت کو ٹھکرا کر جاتی ——— عزت کا خیال ہوتا تو تھیلی میرے مونہہ پر پھینک مارتی ——— میں نے سوچا اپنے محبوب کو اتنا سا قلق بھی کیوں دوں ——— ؟ اور مجھے یقین ہے کہ تم اس کے بعد بالکل ہی مطمئن اور میری طرف سے غافل ہو گئے ہو گے۔ لیکن میں بتاؤں ——— وہ ساری اشرفیاں تو میں نے اسی وقت اپنے ہاتھوں سے یتیم خانوں میں بانٹ دی تھیں ——— البتہ آخری ملاقات کی صرف وہ نفرت سمیٹ کر دل میں محفوظ کر لی تھی جو محفوظ نہ کرتی تو کبھی انتقام نہ لے پاتی ——— عورت کی فطرت خدا بھی شاید ہی سمجھا ہو ——— ایک طرف تو تمہارے لئے دل میں پیار، ایثار اور وفا کا یہ جذبہ اور دوسری طرف تم سے انتقام لینے کی پوری تیاریاں ——— ایک موڑ پر زندگی میں بابا فاکر خاں مل گئے ——— شرافت اور انسانیت کے مجسمے۔ وہ تمہارے اتنے دوست نہیں ہیں جتنے میرے خیر خواہ ——— لیکن میں نے ان سے کہہ دیا تھا کہ تم میری آتی جاتی سانس ہو۔ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچے ——— راستے میں پٹاخہ چھڑوا کر، گھوڑوں کو بھڑکانے، اور تمہیں بچا کر میری توجہ اور چاہت حاصل کر لینا ——— یہ سب انہی کی صلاح تھی ——— تمہارے محل میں پہنچ کر مقصد صرف یہ تھا کہ تمہارے بیٹے کو میرے بدنام گھرانے تک لایا جائے ——— یہ اتفاق تھا کہ تمہارا بیٹا عورتوں میں پل کر نسوانی طرزِ زندگی اختیار کر بیٹھا، یہ نہ بھی ہوتا تو بھی بابا نے پوری ذمہ داری لی تھی کہ وہ تمہارے بیٹے کو گمراہ کر کے میری راہ ہموار کریں گے، اور پھر تمہیں پتہ ہے کہ وہ کس طرح میرا دیوانہ بنا ——— لیکن میں نے اپنی شخصیت کے گرد اسے رعبِ حسن کہہ لو یا اندازِ دلربائی ——— ایسا حصار کھینچے رکھا کہ وہ کبھی اس سے آگے نہ بڑھ سکا ——— اور میں بڑھنے دیتی بھی کیسے؟ میں تو تمہیں زیر کرنا چاہتی تھی ———

بس! . . . . . اور آج ساری دُنیا کے سامنے تمہاری ناک میں نے نیچی کر دی ——— طوائف بہو ——— !!

آج میں نے بدلے چکا لیے ——— بوند بھر زندگی باقی رہی ہے اب کتنا سنبھال سکوں گی ——— جب ہم چھوٹے تھے۔ اماں محلّے کے بچّوں کے ساتھ عید گاہ بھجوایا کرتی تھیں ——— ہم خوشی خوشی ایک ایک پائی کے شکر کے کھلونے لایا کرتے تھے ——— بین مین عورت کی طرح بنی ہوئی مُورتیاں جو اندر سے کھوکھلی ہوتی تھیں، مگر اوپر سے بڑی خوب صُورت ——— دھکّے سے ٹوٹ جاتی تھیں ——— میں بھی ویسی ہی شکر کا کھلونا ہو گئی ہوں سمجھو ——— اندر کچھ بھی نہیں ہے نواب شوکت ——— اتنے دنوں اپنے آپ کو سنبھال سنبھال کر رکھا ہے اب اور نہیں رکھ سکتی ——— بہت تھک گئی ہوں ———

نواب شوکت اسی طرح ساکت و صامت، جیسے خواب میں مُبتلا تھے ——— آنکھیں پھیلی ہوئی، ہونٹ نکلے ہوئے ——— چہرہ ہونّق ——— زندہ تھے مگر مُردے سے بدتر۔

"تم کہہ گئے بارہ سال کہاں چھُپی رہی اور اب کیوں بازار سجایا ——— چودہ سال کا بن باس تمہارے بیٹے کے جوان ہونے کے انتظار میں کاٹا ——— اور بازارِ حُسن اس لئے سجایا کہ جب وہ میرے بدنام محلّے میں آکر مجھ پر فدا ہوتا اور شادی رچتی تو سارے حیدرآباد کو علم تو ہوتا ——— میرے دِل کی آگ اس طرح کہاں ٹھنڈی ہو سکتی تھی کہ چھپتے چھپاتے شادی کر لیتی ——— مجھے تو تمہیں خوار کرنا تھا ——— اور مجھے اپنے عورت پن پر اتنا یقین تھا کہ عمر کے آدھوں آدھ فرق کے باوجود وہ میرا دیوانہ ہو جاتا ——— اماں نے جو لمبی لمبی نصیحتیں مجھے تمہیں باندھنے کے لئے کی تھیں وہ ساری میں نے تمہارے بیٹے پر آزمائیں بڑا ترس بھی آتا تھا کہ میں یہ کیا کر رہی ہوں ——— لیکن میرا قصاص کیسے پورا ہوتا ——— کیسی زندگی اب تک میں نے گزاری ہے شوکت نواب ——— ؟ موت و حیات کے جھگڑے دوزخ و جنّت کی حقیقت، حشر کی فتنہ سامانیاں، ان سب کا اگر کوئی وجود ہے اور ان سب

سے بڑھ کر اگر کوئی خدا ہے، جو کہ یقیناً ہے ورنہ کوئی انسان تو ک ن کو اتنا مسلسل
کرب اور دُکھ نہیں دے سکتا — ہم حقیر بندے بس یہی کہہ کر صبر رہ جاتے ہیں کہ اللہ
کی مصلحت ہو گی — لیکن حشر میں کبھی خدا سے سامنا ہُوا تو اتنا ضرور پوچھوں گی کہ مجھے
اتنا دُکھ دے کر آخر تجھے کیا مِلا —؟ وہ اچانک پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ یہ کمبخت
دِل میرا — یہاں سے وہاں تک اس میں تیر ہی چبھے ہوئے ہیں کیا —؟ وہ پاگلوں
کی طرح روتے روتے اچانک مُسکرانے اور پھر ہنسنے لگی۔ سب کچھ رائگاں ہی گیا۔ سب
کچھ !! دیکھو نا — جب تک تم سے بدلہ نہیں لیا تھا۔ یہی سوچتی تھی بدلہ لوں گی —
بدلہ لوں گی — اب جب کہ تمہارا مان توڑ چکی ہوں، پھر نامراد دِل میں وہی پچھتاوے کی
آندھی ہے کہ کوئی اپنے ہی چہیتے کو دِل کے پاس کر یُوں بھی ستایا کرتا ہے —؟ دیکھو
نواب اتنا مجھ پر یقین رکھنا کہ میں تمہارے لئے ہی جی اور تمہارے لئے ہی مروں گی —
قیامت کے دِن یہ آنکھیں خُدا کا دیدار نہ پائیں اگر تمہارے بعد انہوں نے کسی کو بھی بُری
نظر سے دیکھا ہو — ہاں اداکاری کی بات اور ہے جو تمہارے بیٹے کے ساتھ کی۔
خُدا نے زِندگی کے ڈرامے میں مجھے کیسا دردناک رول دیا تھا — میری جان۔؟؟
اس کی آواز آنسوؤں سے بُری طرح رُندھ گئی — نواب شوکت اپنی جگہ پگھل سے
گئے — وہ پیچھے ہٹی — "نہیں نواب نہیں، اب مجھے ہاتھ لگانے کا گُنہ نہ کرنا۔
ایک وفادار بیوی کے شوہر ہو — تمہاری وفاپرست ازدواجی زِندگی میں یہ داغ نہیں
لگنا چاہیئے کہ شادی کے بعد کسی اور عورت سے بھی ملوّث رہے — کنواری جوانی کے
گُنہ تو اللہ تعالیٰ بھی معاف کر دیا کرتا ہے — کم از کم مذہبی کتابوں میں یہی پڑھا ہے۔
اور دِل کو میں نے جھوٹی سہی، تسکین تو دے لی ہے — اب اس ایک داغ کو رو رو کر
اپنے حسابوں دھو لیا ہے تو پھر مجھے بھی کیوں گُنہ گار کرتے ہو — اتنا روئی ہوں اور
حیرت ہے کہ آنکھیں کیوں نہیں بہہ گئیں — لیکن آج بھی وہی جوت، وہی جگمگاہٹ

ہے، شاید میرا ورثے میں اپنے دُکھ اور اپنی جوت، دونوں میرے ہی لئے چھوڑ گئی تھیں . . . . "بولتے بولتے وہ تھک سی گئی تھی ـــــ تم سے پہلی ملاقات ہوئی تھی تو میں نے سبز جوڑا پہنا تھا ـــــ آج بھی میں نے سبز کپڑے ہی پہن رکھے ہیں ـــــ یادوں کی پُروائی چلتی ہے تو کیسے کیسے پھول کھلاتی چلتی ہے ـــــ ایک ایک کر کے ہر بات یاد آتی ہے ـــــ آج ہی نہیں روز ہی یاد کیا ہے میں نے اُن حسین ساعتوں کو ـــــ"

وہ پھر رونے لگی ـــــ "اگر مسلمان نہ ہوتی اور دوسرے تیسرے جنم پر ایمان اور اعتبار ہوتا تو خدا سے دُعا کرتی کہ اے مالک انسان کا جنم دے نہ پرند چرند کا ـــــ جنم دیجیو تو اب کے مٹی کا جنم دیجیو کہ سدا تمہارے قدموں تلے بچھی رہوں . . . . تمہارے پیروں سے چمٹی رہوں" دعا زبان پر دستک ہوئی اور وہ چونکی :"میں نے اس جسم کا جو صرف تمہاری ہی امانت تھا ـ اور تمہاری ہی امانت رہا ، ہر ہر خیانت سے بچایا ـــــ ایک بار ـــــ صرف ایک بار تمہارے بیٹے نے شدتِ جذبات سے میرا ہاتھ تھام لیا تھا ـــــ وہ ہاتھ میرے جسم کے لئے حرام ٹھیرا ـــــ تم گواہ رہنا ـــــ"

اور اس نے بجلی کی سی تیزی کے ساتھ اپنی کمر میں اُڑسا ہوا ایک چھوٹا سا خنجر نکالا اور کلائی کے پاس سے پنجے کو گاجر کی طرح کاٹ کر رکھ دیا ـــــ اسی پھرتی سے خنجر سے اُس نے دِل کے پاس ایک گہرا شگاف لگا لیا ـــــ خون کا فوارہ سا اُچھلا ـــــ نواب شوکت آگے بڑھے ، مگر وہ تیورا کر گری اور کہا بھی ـــــ "خود کشی کا گناہ . . . . . . ساتھ لے . . . . . . جا رہی ہوں . . . . . . مجھے چھوڑ کر میرے گناہوں میں مزید . . . . . . بوجھ نہ بڑھاؤ ـــــ کمزور جانے والوں کے ساتھ . . . . . . اتنا بھاری توشہ نہیں دیا کرتے . . . . . . میری ایک خواہش پوری کر دینا ـــــ جو تم ہی پوری . . . . . . کر سکتے تھے بس ـــــ! اور جس کا تم نے وعدہ بھی کیا تھا ـــــ تم شاید بھول گئے ہو ـــــ مجھے یاد ہے بس . . . . .

مجھے اپنے ہاتھوں سے ڈھانک دینا ... ..."

جانے کتنے ماہ و سال آتے گئے گزرتے گئے، نواب شوکت وہیں ٹھٹکے رہے —— جب دروازے پر زور زور سے دستک ہونے لگی تو اُنہوں نے اس کا ہرا ہرا دوپٹہ کھینچ کر نکالا اور اسے سر سے پاؤں تک ڈھانک دیا —— !

ہماری مطبوعات

ناقابلِ فراموش	دیوان سنگھ مفتوں	پنجرہ	امرتا پریتم
کارِ جہاں دراز ہے	قرۃ العین حیدر	انچاس دن	"
آشفتہ بیانی میری	رشید احمد صدیقی	رنگ کا پتہ	"
رسیدی ٹکٹ	امرتا پریتم	ایک تھی انیتا	"
پیغمبرانِ سخن	سردار جعفری	ڈاکٹر دیو	"
وہ صورتیں الٰہی	مالک رام	بلاوا	"
ساحر شخص و شاعر	ناز صدیقی	دو ہاتھ	عصمت چغتائی
آگ کا دریا	قرۃ العین حیدر	بدن کی خوشبو	"
سیتا ہرن	"	افسانے ڈرامے	"
ماں کی کھیتی	"	ایک لڑکی ایک جام	امرتا پریتم
آدمی کا مقدر	"	پھول کی تنہائی	کرشن چندر
ڈنگو	"	محبت کی رات	"
آلیس کے گیت	"	ننھے غلام	"
تلاش	"	بلونت سنگھ کے افسانے	بلونت سنگھ
کٹاری	سعادت حسن منٹو	ٹھنڈا گوشت	سعادت حسن منٹو
ایک گدھے کی سرگزشت	کرشن چندر	انار کلی	"
الٹا درخت	"	کالی شلوار	"
دادر پل کے بچے	"	خالی بوتلیں خالی ڈبے	"
میری یادوں کے چنار	"	گنجے فرشتے	"
رات چور اور چاند	بلونت سنگھ	لاؤڈ سپیکر	"
چک پیراں کا جسا	"	نیچے اوپر اور درمیان	"
ناگ منی	امرتا پریتم	پت جھڑ کی آواز	قرۃ العین حیدر
یہ سچ ہے	"	فصلِ گل آئی یا اجل آئی	"

مکتبہ اردو ادب